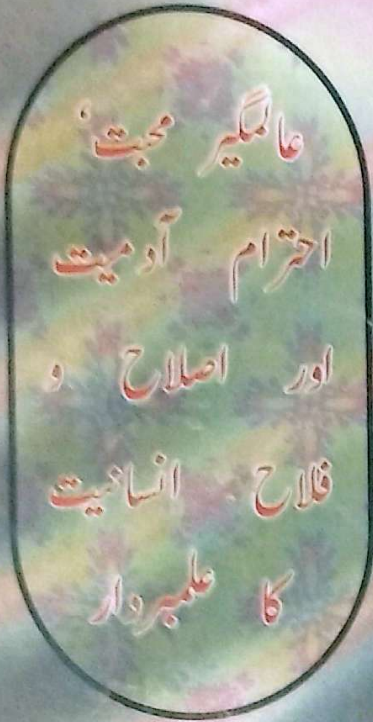
جلد 1 شمارہ 6 اگست 1999ء ربیع الثانی 1420ھ





آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ' کثرت ذکر' مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت' حسد و بغض' تجسّس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ' تسلیم و رضا' عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت' مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ
آدمیت فلاح
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 1 شمارہ 6 اگست 1999ء ربیع الثانی 1420ھ

قیمت ——— -/15 روپے
سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424:
ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734:

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-260957
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

جیسا کہ سب برادران سلسلہ آگاہ ہیں کہ سلسلہ توحیدیہ کا ماہانہ مجلّہ فلاح آدمیت ستمبر97ء سے شائع ہو رہا ہے۔ قارئین نے ہمارے مجلّہ کی انفرادیت اور خصوصیت کو بہت پسند کیا ہے۔ بہت سے قارئین کو اسلامی تصوف سمجھنے میں مدد ملی اور اکثر قارئین نے مجلّہ کو اخوت و محبت کا ترجمان قرار دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مجلّہ کے ذریعے مسلمانوں میں دین اسلام کا صحیح فکر و فہم پروان چڑھے۔ الحمد للہ مجلّہ کی اشاعت کے دو سال مکمل ہو چکے ہیں۔ اب سب بھائیوں کو چاہئے کہ وہ مجھے ستمبر99ء تا اگست 2000ء کا سالانہ فنڈ 150 روپے کے حساب سے منی آرڈر کر دیں۔ خادمان حلقہ کو چاہئے کہ وہ اس ضمن میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے اپنے اپنے حلقہ کا مجلّہ فنڈ جلد از جلد روانہ کر دیں۔ تمام خادمان حلقہ سے التماس ہے کہ وہ اپنے احباب کے ایڈریس بھی ہمیں روانہ کر دیں تاکہ انہیں براہ راست مجلّے ارسال کیے جا سکیں۔ اب میں آپ کی توجہ مرکز کی تعمیر کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اس سال اجتماع پہ آپ کو مرکز کی تعمیر کے لئے درکار فنڈ کی قلت کے متعلق تفصیلاً" بتایا گیا تھا۔ ہم سب بھائیوں کو اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ مالی تعاون کرنا چاہئے۔ مرکز کی تعمیر پر ہمارے گوجرانوالہ کے بہت ہی مخلص بھائی شیخ محمد اسلم صاحب نے جس فراخ دلی سے مرکز کی تعمیر و تنظیم میں اپنی خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہم سب بھائیوں کے لئے قابل تقلید ہیں۔ بے شک اس کا اجر اور صلہ تو انہیں اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔ یقیناً" اللہ تعالیٰ بھی انہی لوگوں کو پسند فرماتے ہیں جو اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر اس کی راہ میں زیادہ سے زیادہ دولت خرچ کرتے ہیں۔ اللہ کا قرب محض اپنی محبوب چیزوں کو اس کی راہ میں خرچ کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (آل عمران۔92)

"ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ"

سب بھائیوں کو تساہل اور سستی چھوڑ کر سلسلہ کے ان امور پر فوراً" عمل کرنا چاہئے۔ اس وقت "مرکز تعمیر ملت" کا 90 فیصد کام مکمل ہو چکا ہے۔ یہ سب آپ بھائیوں کے تعاون سے ہی ممکن ہوا ہے۔ فنڈز کی کمی کی وجہ سے گذشتہ ایک برس سے کام رکا ہوا تھا۔ پچھلے ماہ سے مرکز کی تعمیر (چار دیواری) کا کام پھر سے شروع کیا گیا ہے۔ سب بھائیوں کو چاہئے کہ وہ ہمت سے کام لے کر زیادہ سے زیادہ مالی تعاون فرمائیں تاکہ مرکز کی تعمیر جلد از جلد مکمل ہو اور شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کی مرکز میں مستقل جلوہ افروزی سے اصلاح و فلاح کا مشن زیادہ سرعت سے انجام پائے۔ مجھے امید ہے سب بھائی اس مشن میں حتی الوسع کاوش فرمائیں گے۔ شکریہ

والسلام! عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

(عبدالقیوم ہاشمی)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (القرآن)

ترجمہ! "اور اہل ایمان سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں"

یوں تو پورا قرآن کریم اللہ کا کلام اور ہمارا ہادی و رہنما ہے مگر متلاشیان حق کے لئے تو قرآن کریم کی ہر ہر سورت اور آیت اکسیر حیات کا کام دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے سامنے کلام الٰہی پڑھا جاتا تو وہ فوراً ایمان و یقین کی باکمال دولت حاصل کر لیتے۔ بعض صحابہؓ ایک دو آیات کے سنتے ہی بے خود ہو جاتے اور فرماتے کہ آگے مت پڑھو ہمارے لئے یہی کافی ہے۔

مذکورہ بالا آیت بھی اہل دل حضرات کو مکمل ہدایت اور رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس آیت میں اہل ایمان کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ شدید ترین محبت اللہ سے کرتے ہیں۔ مومن کی صحیح تعریف اس پہ صادق آئے گی جو اللہ کی محبت کو تمام دنیاوی محبتوں پہ مقدم رکھے۔ مگر اللہ رب العالمین نے پھر بھی مسلمانوں پہ فضل عظیم فرمایا کہ عملی طور پر اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت دنیوی نعمتوں مثلاً بیوی بچے اور دولت کی محبت کو اللہ کی محبت پر مقدم رکھتے ہیں مگر ایسے فعل سے مسلمان کافر و مشرک نہیں ہوتا بلکہ مشرک اس وقت ہو گا اگر عقیدہ کے طور پر انہیں اللہ کی محبت پہ فوقیت دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے جس کا ملت اسلامیہ کسی طرح بھی کماحقہ شکر باری تعالیٰ ادا نہیں کر سکتی۔

محبت کا جذبہ ہمیشہ اوپر سے نیچے کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے یعنی اولاد کو والدین سے اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی والدین کو اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اولاد کو والدین کی محبت و خدمت کا پر زور درس دیا ہے کیونکہ والدین فطرتاً اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں لہٰذا انہیں کسی قسم کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا۔ بعینہٖ اللہ رب العزت اپنی مخلوق سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ حدیث رسول ﷺ کے مطابق

الخلق عیال اللہ (مخلوق اللہ کا کنبہ ہے)

اللہ کی محبت و رحمت تمام مخلوق پہ ہر لحظہ جاری و ساری ہے اگر یہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی منقطع ہو جائے تو تمام کائنات تباہ ہو جائے۔

انسانی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ کسی بھی حالت پہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا بلکہ بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ یہ حالت دراصل انسان کی حقیقی منزل کی نشاندہی کرتی ہے وہ یہ کہ اس کا نفس لامحدود خواہش کا

طلبگار ہے کیونکہ صرف ذات باری تعالیٰ ہی لامحدود ہے اس لئے جب تک نفس انسانی اس لامحدود ذات تک رسائی حاصل نہ کرلے مطمئن نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب و رضا کا حقدار صاحب نفس مطمئنہ کو ٹھرایا ہے۔

یاایھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیہ مرضیہ

(اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کے حضور بڑھتا ہوا آ اس طرح کہ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے)

محبت صرف محسوس کی جاتی ہے لیکن اللہ کی محبت کا ثبوت اسی وقت ملتا ہے جب اس کا ٹکراؤ کسی دوسری دنیاوی محبت سے ہو۔ انبیاء کرام نے بے شمار ایسی عملی مثالیں پیش کیں جن سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے تھے۔ انسان کی روح خالصتاً اللہ کی محبت کی خاطر تخلیق ہوئی ہے جب تک اسے اللہ کی محبت سے دور رکھا جائے گا انسان تمام تر نعمتوں کے باوجود بے چین ہی رہتا ہے بقول اقبال؀

روح را جز عشق او آرام نیست

(روح کو اللہ کے عشق کے بغیر سکون نہیں)

یہ ایک قرآنی حقیقت ہے کہ ہر انسانی روح اللہ کی محبت اور عبودیت کا عہد کر کے اس دنیا میں آئی ہے۔ دل پہ مادی اور ظلماتی پردوں کے سبب وہ یہ عہد بھول جاتی ہے۔ اس عہد کو عہد الست کہا جاتا ہے جب تمام ارواح نے الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں؟) پہ قالو بلیٰ (کیوں نہیں) کہا تو ان ارواح نے اللہ کی محبت و عبودیت کے لئے خود کو امتحان میں ڈال لیا۔

شیطان اور انسان کا نفس امارہ انسان کو گمراہ کرنے اور اللہ کی محبت سے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو بھی چیز اسے اللہ سے دور کر دے وہ اس کا معبود بن جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

من شغلک عن اللہ فھو صنمک

"یعنی جو چیز بھی تجھے اللہ سے غافل کر دے وہی تیرا بت ہے"

قرآن کریم کے مطابق یہ بت یا باطل معبود عموماً نفس امارہ ہی ہوتا ہے۔

"کیا تو نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے" (الفرقان۔43)

جو لوگ نفس امارہ کی غلیظ خواہشات کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں وہ اپنے مالک اور منعم حقیقی کے وجود سے بھی منکر ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ اس طرح خود اپنی ذات اور خودی کا انکار کرتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال؀

تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود تیرا

جس طرح والدین کی محبت اور قدر ان کے احسانات کو یاد کرنے سے بڑھتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کثرت ذکر الٰہی اور اس کے احسانات پہ غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں نماز، ذکر باری تعالیٰ اور اللہ کی نعمتوں اور نشانیوں پہ غور و فکر کا تذکرہ سب سے زیادہ آیا ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً 750 آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، نشانیوں اور احسانات کا تذکرہ ملتا ہے حتیٰ کہ اس قدر آیات نماز کی تلقین و ادائیگی پر بھی نازل نہیں ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی بے شمار نعمتوں اور احسانات پر غور و فکر کرنے سے اللہ کی عظمت اور بلندی کا ادراک ہوتا ہے اور انسان کو اپنی بے بسی اور عاجزی کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس کا دل نماز اور ذکر الٰہی کی طرف خود ہی مائل ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ذکر و فکر ہی سے اللہ کا قرب اور اس کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ اب یہ تو واضح ہوا کہ ذکر و فکر سے ہی اللہ کا قرب اور محبت حاصل ہو سکتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کیا اختیار کیا جائے۔ قرآن کریم نے اس کی بھی مکمل وضاحت فرما دی۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اگر تم محبت الٰہی کے متمنی ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت فرمائیں گے"

اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ اتباع رسول ﷺ ہی ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے اللہ کا قرب اور محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمارے ہاں جو وسیلہ کا مفہوم لیا جاتا ہے وہ بے حد گمراہ کن ہے۔ وہ یہ کہ کسی پیر، فقیر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور اب آخرت کی فکر سے لاپرواہ ہو گئے کہ پیر صاحب کا وسیلہ ہے اور بخشش کی ذمہ داری ان کی ہے۔ یا رسول کریم ﷺ کے ہم امتی ہیں لہٰذا اب کسی بات کی پرواہ نہیں۔ اب شفاعت اور جنت کے ہم ہی حقدار ٹھہرتے ہیں۔ یہ عقیدہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں۔ قرآن کریم ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے عملی اظہار پہ بے حد زور دیتا ہے بلکہ لازم و ملزوم قرار دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں آمنو (ایمان لاؤ) کا حکم دیا ساتھ ہی وعملوا الصالحات (اور صالح اعمال کرو) جیسے الفاظ بیان فرما دیے تاکہ کوئی غلط روی کا مرتکب نہ ہو۔ اللہ کی محبت کے حصول کے لئے جس وسیلہ پہ قرآن زور دیتا ہے اس کا دارومدار بے عملی اور محض عقیدہ پہ نہیں بلکہ عمل پہ رکھا یعنی اتباع رسول ﷺ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اتباع رسول ﷺ کے ذریعے اپنی محبت، قرب و رضا اور دیدار عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان اللہ یقبل توبہ العبد مالم یغرغر

ترجمہ! "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو"

موت کے وقت جب بندے کی روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہو جاتی ہے جسے عربی میں غرغرہ اور اردو میں خرہ چلنا کہتے ہیں اس کے بعد زندگی کی کوئی آس اور امید باقی نہیں رہتی یہ موت کی قطعی اور آخری علامت ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس کیفیت کے آنے سے پہلے پہلے بندہ اگر توبہ کرلے تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ غرغرہ کی کیفیت شروع ہونے کے بعد آدمی کا رابطہ اور تعلق اس دنیا سے کٹ کر دوسرے عالم سے جڑ جاتا ہے اس لئے اس وقت اگر کوئی کافر اور منکر ایمان لائے یا کوئی نافرمان بندہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرے تو خدا تعالیٰ کے یہاں ایسی توبہ قابل قبول نہ ہو گی۔

ایمان اور توبہ اسی وقت کی معتبر اور قابل قبول ہے جب تک زندگی کی آس اور امید ہو اور موت آنکھوں کے سامنے نہ آئی ہو۔

اللہ تعالیٰ سورہ النساء میں فرماتا ہے۔

"ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں"

قرآن مجید فرقان حمید میں بھی خدا تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتادیا ہے کہ بندے کو چاہئے کہ توبہ کے معاملے میں ٹال مٹول نہ کرے۔ معلوم نہیں کس وقت موت کی گھڑی آجائے اور خدانخواستہ اسے توبہ کا وقت ہی نہ ملے۔

گناہ کرنے سے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ گناہ کرنے سے صرف کافروں کے دل ہی سیاہ نہیں ہوتے بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر سچے دل سے توبہ واستغفار کرے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ واستغفار نہ کرے اور نافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے اور کسی مسلمان کے لئے بلا شبہ یہ انتہائی بدبختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔

اس لئے یہ کسی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ گناہ کرنے کے بعد اسے بار بار دہرائے۔ اگر خدانخواستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً" استغفار کرنا چاہئے کیونکہ موت کی گھڑی کس وقت آن پہنچے کسی کو مالک حقیقی کے سوا علم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استغفار صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ کا نام نہیں بلکہ وہ دل کی ایک طلب ہے۔ زبان اس کی ترجمانی کرتی ہے اور اگر استغفار سچے دل سے کی جائے تو آدمی رحمت الٰہی کا مستحق ہے۔

آئین وحدت آدم

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کے لئے جو آخری پیغام قرآن مجید کی صورت میں نازل فرمایا وہ ہر پہلو سے ایک کامل اور عالمگیر آئین ہے جو ساری نسل انسانی کی یکساں فلاح کا ضامن اور وحدت آدمیت کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین کی بنیاد انفرادی' خانگی' نسلی یا قومی مفادات کی بجائے پوری نسل انسانی کی فلاح و بہبود پر قائم ہے۔ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کسی ایک قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ کرہ ارض پر بسنے والی ساری اولاد آدم کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کے سوا کسی بھی دوسرے رسول نے یہ اعلان نہیں فرمایا کہ اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی ہدایات کا آخری اور مکمل مجموعہ قرآن کریم وہ منفرد کتاب ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو ہدایت اور نور کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ اعزاز بھی اللہ کی اس آخری کتاب کو حاصل ہے کہ اس میں خالق کائنات اپنی مخلوق سے براہ راست خطاب فرماتا دکھائی دیتا ہے۔ مکمل ہدایات پر مشتمل اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی مرکزی حیثیت اور روحانی عظمت کا احساس دلا کر مادی قوتوں اور مظاہر فطرت کے خوف سے نجات دلائی۔ اس طرح انسان کو اپنے اردگرد موجود اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کی ترغیب اور جرات ملی۔ اس آئین کے ذریعے یہ تعلیم دی گئی کہ پوری کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے اور تمام انسانون کا باپ ایک ہی تھا یعنی وحدت الوہیت اور وحدت آدمیت کا درس دیا گیا۔ اس طرح امن عالم کے سب سے بڑے دشمن رنگ و نسل اور وطنیت و قومیت کے بتوں کا قلع قمع کر کے وحدت انسانیت اور عالمگیر اخوت کی راہ دکھائی۔ نسلی اور پیدائشی فوقیت کے جھوٹے اصولوں کی بجائے ذاتی اہلیت اور کردار و اخلاق کی بلندی کو عزت و اکرام کا معیار بنانا سکھایا۔ اس دائمی شریعت کے قوانین کسی خاص قوم اور مخصوص زمانے کے رسم و رواج پر مبنی نہیں ہیں بلکہ انسانوں کے ان جبلی تقاضوں اور فطری ضروریات پر مبنی ہیں جو تبدیل نہیں ہوتیں۔ اس شریعت میں انسان اور انسان کے درمیان بجز عقیدے اور عمل کے کسی اور چیز کی بناء پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والا انسان بلا لحاظ رنگ و نسل اور قوم و زبان اس عالمگیر آئین کے اصولوں پر ایمان لا کر ماننے والے گروہ یعنی ملت اسلامیہ میں

بالکل مساوی حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ دین اسلام میں ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کا اصول کار فرما ہے جس کے مطابق سب سے زیادہ عزت و اکرام کا مستحق اسے سمجھا جاتا ہے جو اللہ کے آئین کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ اس میں انسانوں کو ظاہری قد کاٹھ اور دولت کے ٹھاٹ باٹ کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور ایسا نظام وجود میں لایا جاتا ہے جس میں حکومت و امارت صرف متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ہاتھوں میں رہے تاکہ لوٹ مار اور دولت جمع کرنے کے رجحان کی بجائے سادگی اور انسانیت کی خدمت کی روش کو فروغ ملے۔ ان فطری قوانین پر عمل پیرا ہونے سے معاشرتی مساوات' عدل و انصاف اور اسلامی اخوت پر مبنی جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس میں اس اعلیٰ طبقہ کے لئے دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ کسی خصوصی استحقاق اور مراعات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین میں ہر قسم کے طبقات کو ختم کر کے انسانی مساوات اور وحدت آدم کی راہیں ہموار کی جاتی ہیں۔ صرف خاص خاص لوگوں کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی بجائے پوری انسانیت کے اکرام کا درس دیا جاتا ہے اس لئے یہاں درجہ بندیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نہ مسجد میں' نہ مکتب میں' نہ ریل میں نہ جیل میں' نہ چوپال میں نہ ہسپتال میں' حتیٰ کہ امیر مملکت کے لئے بھی کوئی استثنا نہیں ہے اور وہ بھی اپنے بھائیوں کے درمیان ایک عام شہری کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ کوئی شخص جو آج دائرہ اسلام میں داخل ہو اس کے لئے بھی اسلامی معاشرہ میں وہی حقوق و مراعات ہیں جو امیرالمومنین کے لئے ہیں۔

عورت جو زمانہ قدیم سے مردوں کے ظلم و ستم کا شکار چلی آتی تھی اس آئین کے تحت ایک قابل احترام ہستی قرار پائی۔ اسے مردوں کے برابر معاشرتی حقوق مل گئے۔ بلکہ ایک لحاظ سے اسے مردوں پر بھی فوقیت حاصل ہو گئی کیونکہ پیدائش سے لیکر موت تک اسے نان و نفقہ کی فکر اور کسب رزق کی صعوبتوں سے آزاد کر کے اس کی کامل ذمہ داری مردوں پر ڈال دی گئی۔ اس خصوصی حیثیت کے باوجود اسے اپنے باپ' خاوند اور بیٹوں کی جائیداد سے باقاعدہ حصہ ملتا ہے۔ اسے اپنی جائیداد رکھنے اور ذاتی کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس پر کسی قسم کی مالی ذمہ داری ہرگز نہیں ہے۔ ہر انسان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی ترغیب دلانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔ قرآن کریم میں انسانی خون کی حرمت اور جان کا تقدس اس قدر بڑھا دیا گیا ہے کہ حکم فرمایا گیا کہ جس شخص نے ایک انسان کو قتل کر دیا

وہ اللہ کے نزدیک ساری نسل انسانی کا قاتل ہے اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی وہ اللہ کے ہاں ایسا ہے جیسے ساری نسل انسان کا محافظ ہو۔ اللہ رحیم و کریم کے دین رحمت میں تو حیوانوں اور پرندوں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جانور تو جانور اسلام میں تو درختوں کو بھی بلا ضرورت کاٹنے اور نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے۔ اللہ کا عطا کردہ آئین عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور حسن معاشرت کا داعی ہے اور اپنے ماں باپ' قرابت داروں' یتیموں' بیواؤں' مسکینوں' پڑوسیوں' ہم سفروں اور کام کاج کے ساتھیوں کے ساتھ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے حسن معاشرت اور خوش خلقی کی اہمیت جتلاتے ہوئے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ علامہ اقبالؒ کے زمانہ میں بین الاقوامی لڑائیاں جھگڑے نمٹانے کے لئے جمعیت اقوام بنائی گئی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر جنیوا تھا۔ علامہؒ اس تنظیم کی خامیاں اور اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟

اللہ کا دین صلح و آشتی' محبت و رافت' امن و سلامتی اور اصلاح و فلاح کا علمبردار آئین ہے۔ اس میں جو عبادات فرض قرار دی گئی ہیں ان سے مقصود اللہ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت کے جذبہ کو ہر وقت تازہ رکھنا ہے تاکہ اولاد آدم مطلوبہ تربیت کے سانچوں میں ڈھل کر مثالی فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے قابل بن سکے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے امر روشن ہو جائے گا کہ اللہ کا یہ آئین انسانوں کو کس رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اور کیا کوئی صحیح الفطرت اور سلیم الطبع انسان اس پاک و صاف اور نفع بخش تعلیم کی افادیت سے انکار کر سکتا ہے؟

(۱)۔ "نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے

کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں۔ اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور معرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے اور یہی لوگ متقین ہیں" (البقرہ۔177)

(2)۔ "آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ لوگو آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور انکو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ بھٹکنا اور کسی جان والے کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جس کی شریعت اجازت دے۔ ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے اور تم اسی پر چلنا۔ اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ" (الانعام۔151 تا 153)

اللہ کا دین ایک عالمگیر لائحہ عمل ہے جو بنی نوع انسان کی پوری زندگی کو اس نہج پر منظم کرنا چاہتا ہے جس سے دنیا میں امن و امان اور اکرام انسان کا دور دورہ ہو اور سائنسی اور روحانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ جائے اور ساری ترقی کا مقصود خدمت خلق اور رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو تاکہ آخرت کی حقیقی زندگی کامیاب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی تشریف آوری سے قبل پوری دنیا اخلاقی تنزل و انحطاط کی دلدل میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انسانوں کی خرید و فروخت کے لئے باقاعدہ منڈیاں لگتی تھیں۔ عورتوں کو انسانوں سے کم تر اور حقیر مخلوق جانا جاتا تھا اور اسے بھی اموال و اجناس کی طرح خریدا اور وراثت میں منتقل کیا جاتا تھا۔ کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ شراب جوئے لوٹ مار اور قتل و

غارت جیسے کاموں پر فخر کیا جاتا تھا۔ بادشاہوں، مذہبی راہنماؤں اور قبیلوں کے سرداروں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا۔ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے مسجود ملائکہ بننے کا شرف عطا کیا اس حد تک گر گیا کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں، چاند سورج ستاروں، جنگلی جانوروں اور آگ کے سامنے سر بسجود ہونے کو معراج زندگی سمجھ بیٹھا۔ پوری انسانیت تفرقات، امتیازات، توہمات اور ظلم و استحصال کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی سسکیاں لے رہی تھی۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ نے آ کر پورے عالم کو منور فرمادیا اور بنی نوع انسان کو ان بتوں اور جوؤں سے نجات دلائی جو مفسدین اور متکبرین نے اس کی گردن پر ڈال رکھے تھے۔ آپ نے وحدت الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدت آدمیت کا درس دے کر انسان کی ذات کو مکرم و محترم بنا دیا۔ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال میں جب فریضہ حج ادا فرمایا تو اس وقت پورا عرب آپ کی اطاعت میں داخل ہو چکا تھا۔ اس موقع پر آپ نے کم و بیش ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے جس عالمگیر انسانی حقوق کے منشور کا اعلان فرمایا وہ رہتی دنیا تک منارہ نور بنا رہے گا۔ اس مشکوۃ نبوت کی چند کرنیں مختصر اقتباس کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔

☆۔ لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے۔

☆۔ کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے سبب سے

☆ اور ہاں تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

☆۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔

☆۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

☆۔ تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو تم پر باہم قیامت کے دن تک اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ مقدس دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

مجرم اپنے جرم کا آپ خود ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین! خالد مسعود)

1۔ تنہائی اور سکون

(بنام محمد قاسم صاحب 64-9-7)

"لاہور شفٹ ہونے کے لئے خیال ہے کہ ہم 20، 21 کو یہاں سے چل سکیں گے۔ لیکن یہ اس بات پر منحصر ہے کہ علی صاحب وہاں بڑا مکان یا کوٹھی لے لیں۔ ان کے موجودہ مکان میں تو ہمارا آدھا اسباب بھی نہیں سما سکتا۔ دوسرے میں ان کے موجودہ مکان میں مستقلاً" نہیں رہ سکتا۔ میرے لئے بالکل ایک کمرہ الگ چاہیئے جہاں سوائے خدا کے اور کوئی نہ آسکے۔ عارضی رہائش کی بات اور تھی۔ مگر مستقلاً" اس مسافرانہ انداز سے رہنا میرے لئے ممکن ہی نہیں۔ آپ لوگ تو سب خوش ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ اگر بنوں میں رہ کر میں 20 برس زندہ رہ سکتا تھا تو لاہور میں مشکل سے 5 برس زندہ رہ سکوں گا۔ کیونکہ بنوں میں جو تنہائی اور سکون ہے وہ لاہور میں کہاں وہاں تو ہر وقت آدمی آدمی آدمی"

2۔ مجاز شیخ

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-1-16)

"میں آپ کو حلقہ توحیدیہ میں اپنا مجاز مقرر کرتا ہوں اور آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ جس کو مناسب سمجھیں ہمارے حلقہ کی تعلیم تلقین کریں اور میرے لئے اپنے ہاتھ پر بیعت کریں اور حلقہ والوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کیا کریں"

3۔ توحیدی بھائیوں کی انفرادیت

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-5-18)

"حلقہ میں پندرھویں دن ضرور شریک ہوا کریں اور سب کو ہدایت کردیں کہ ماہوار چندہ بغیر کسی کے مانگے خود اپنی خوشی سے دے دیا کریں۔ ورنہ عام آدمیوں میں اور توحیدی بھائیوں میں کیا فرق ہو گا۔"

4۔ دنیوی قاعدوں کی پابندی

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-1-30)

"ونگ کمانڈر صفدر صاحب کو بھلا میں کیوں لکھنے لگا۔ آپ بھی ان سے بے تکلف نہ ہوں۔ انکی افسری کا خیال رکھیں۔ ان پر چاہیں تو ظاہر کردیں کہ آپ ان کے پیر بھائی ہیں لیکن بے تکلفی نہ برتیں۔ دنیوی قاعدوں کا خیال اور پابندی بھی ضروری ہے"۔

5۔ سالانہ کنونشن کے اخراجات

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-2-26)

"سب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کنونشن کا سارا بوجھ میاں محمد علی پر نہ ڈالا جائے۔ بلکہ ہر شخص جو شرکت کرے کچھ نہ کچھ عطیہ ضرور دے جس کی مقدار میری رائے میں کم از کم پانچ روپے ہونی ضروری ہے آپ یہ بات سب کو بتادیں"

6۔ ڈسپلن کی سختی

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 65-3-1)

"ڈسپلن کا تقاضا ہے کہ حلقہ فنڈ کے معاملہ پر کبھی کبھی سختی سے عمل کرانے کی کوشش کی جائے۔ ایسے کام کے لئے میں ہمیشہ ذرا سختی ہی سے لکھتا ہوں ورنہ اثر ہی نہیں ہوتا۔ اب آگے آپ ہوں، حافظ ہوں یا میرے سگے بھائی یا میرے والد صاحب ہوتے میں ذرا لحاظ نہ کرتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جب سے حافظ صاحب وہاں کے خادم بنے ہیں نہ انہوں نے کوئی خط لکھ کر حلقہ کے مردہ یا زندہ ہونے کی رپورٹ دی جو کم از کم ایک ماہ میں ایک مرتبہ تو دینی چاہئے اور نہ ہی فنڈ بھیجا ہے۔ تو میرے پاس سوائے اس کے چارہ ہی کیا تھا کہ ان کو ذرا گرمایا جائے"۔

مجالس فقیر

اشرفیوں کی تھیلی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ میرے مرشد مولانا کریم الدین احمد ؒ نہایت ہی سادہ مزاج تھے اور اپنے قصبے "دھوج" میں بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہاں ایک کچے احاطے میں تین چار چھپر پڑے ہوئے تھے یہی مولانا کا کاشانہ تھا آپ مہینہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے دہلی تشریف لاتے اور بعض اوقات ہفتوں قیام فرماتے۔ دہلی میں آپ ہمیشہ چاندنی چوک کے کسی بہترین ہوٹل میں دو تین کمرے کرائے پر لیتے یہاں ہر وقت مریدوں کا تانتا لگا رہتا اور مولانا خود سب کو کھانا کھلاتے۔ میں نے مولانا کو کبھی کسی دعوت میں جاتے نہیں دیکھا میں حیران ہوتا تھا کہ بظاہر تو مولانا کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تو پھر وہ ہوٹل کا اتنا خرچہ کیسے برداشت کرتے ہیں۔ یہ راز معلوم کرنے کے لئے میں ٹوہ میں لگا رہا۔ مولانا عصر کی نماز ایک دوسرے کمرے میں ہمیشہ تنہائی میں پڑھتے تھے۔ میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید مولانا صاحب نے اس کمرے میں کوئی مال رکھا ہوگا ایک دن اصرار کیا کہ میں بھی عصر آپ کے ساتھ ہی ادا کرونگا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ نماز کے بعد مولانا لیٹ گئے اور میں انہیں دبانے لگ گیا۔ ساتھ ساتھ کمرے کا بھی جائزہ لیتا رہا لیکن وہاں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ دباتے دباتے مجھے محسوس ہوا کہ مولانا کی قمیض کی اندرونی جیب میں ایک تھیلی ہے جس میں کچھ دھاتی سکے ہیں۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ ڈال کر وہ تھیلی نکال لی اور ذرا دور ہٹ کر اسے کھول کر دیکھا تو اس میں خاص تانبے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے مولانا ہنس پڑے اور فرمایا ادھر لاؤ یہ اشرفیاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیسی اشرفیاں ہیں یہ تو تانبے کی ہیں۔ مولانا نے مجھے قریب بلایا اور ایک طاق پر رکھی ہوئی چھوٹی سی شیشی لانے کو کہا اس پر پیچدار ڈھکنا تھا جس کے ساتھ

ایک برش بھی لگا ہوا تھا اور اس کے اندر کوئی تیل نما چیز تھی مولانا نے تانبے کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر برش کے ساتھ وہ تیل لگایا تو وہ خالص سونا بن گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اب پتا چلا کہ یہ اشرفیاں ہیں۔

کچھ عرصہ بعد دہلی ہی کے ایک ہوٹل میں میری حضرت مولانا سے تنہائی میں ملاقات ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم نے اللہ کی راہ میں خوب محنت کی ہے اور میری تعلیم پر یکسوئی کے ساتھ عمل کر کے بہت جلد سلوک طے کر لیا ہے میں تم سے خوش ہوں۔ میں چاہتا ہوں تمہیں کوئی انعام دوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے انعام دینا ہے تو اس کا فیصلہ بھی آپ خود ہی فرمائیں۔ اس پر آپ نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور مجھے عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ گندھک کا تیل ہے۔ اس پر میں نے گذارش کی کہ قبلہ مجھے تو خارش نہیں ہے میں گندھک کے تیل کا کیا کرونگا۔ مولانا نے فرمایا۔

ارے بے وقوف! یہ اکسیر ہے اس سے سونا بنتا ہے۔ اسے رکھ لو اور ساری عمر موج کرو۔ میں نے اس شیشی کو اٹھا کر بڑے غور سے دیکھا اور ہوٹل کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اسے باہر گلی میں پھینک دیا۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے کہ تو نے یہ کیا کیا۔ میں نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے اس لئے بیعت نہیں ہوا تھا کہ مجھے سونا بنانا آ جائے لعنت ہو اس مرید پر جو کسی فقیر کے ہاتھ پر اس لئے بیعت ہو کہ دنیا کی دولت ہاتھ آ جائے۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہئے مجھے تو نقد نارائن جی سے ملا دیں مجھے تو صرف اللہ کی طلب ہے۔ اس پر مولانا نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر خوب خوب پیار کیا اور دعا دی کہ تمہاری طلب سچی ہے اور تم مرنے سے پہلے اللہ کے دیدار سے ضرور شرف یاب کئے جاؤ گے۔

وجہ تسمیہ

(بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری)

موجودہ زمانے میں جتنے بھی سلسلے ہیں۔ ان سبھی میں الا ماشاء اللہ پیر پرستی اور قبر پرستی اس قدر زیادہ ہو گئی ہے کہ اللہ تو کسی کو یاد ہی نہیں آتا۔ قبروں کو سجدے کرنا ان سے منتیں مانگنا اس قدر عام ہو گیا ہے کہ عوام اس کو گناہ اور شرک تو کیا برا بھی نہیں سمجھتے۔ زندہ پیروں کی عزت میں اس قدر غلو کیا جاتا ہے کہ نماز کے ادب آداب بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں پیر صاحبان اپنے مریدوں سے خود اپنے آپ کو سجدے کراتے ہیں۔ اس کا نام انہوں نے سجدہ تعظیمی رکھا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ سوائے اللہ کے اور کسی کو جائز نہیں۔

یہ لوگ قبر پرستی اور پیر پوجا میں اس قدر غرق ہو گئے ہیں کہ ان کو اللہ تو کیا رسول اللہ ﷺ بھی شاذ و نادر ہی یاد آتے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں سے بہت زیادہ ایسے ہیں جو حضور اکرم کو خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ یعنی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا خود رسول اکرم ﷺ کی شکل میں زمین پر اتر آیا تھا۔ حالانکہ اسلام اوتاریت کے عقیدے کو کفر بتاتا ہے۔

الغرض عقائد ہیں تو توحید کے خلاف، رسوم ہیں تو مشرکانہ، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ کا نام ہی "توحیدیہ" رکھوں۔ تاکہ سلسلے کے ہر مرید کو ہر وقت یہ بات یاد رہے کہ

"میں بحیثیت ایک سچے مسلمان کے خالص توحید کا ماننے والا ہوں"۔

مگر یاد رہے کہ توحید سے ہماری مراد وحدت الوجود ہرگز نہیں۔ ہماری توحید تو سیدھی سادی وہ توحید ہے جو قرآن میں بتائی گئی ہے۔

ہمارے عقائد

سلسلہ توحیدیہ کے ارکان کا فرض ہے کہ حسب ذیل عقائد پر ایمان و یقین کامل رکھیں اور اس یقین کو ہمیشہ پختہ سے پختہ تر بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔

۱۔ اللہ ایک ہے یعنی وہ ذات و صفات میں ہر لحاظ سے بے مثل اور یکتا و یگانہ ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہر قسم کے نقص اور خامی سے بری ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اس کے سوا کائنات میں جتنی چیزیں غائب اور ظاہر ہیں، سب اس کی مخلوق ہیں۔ وہ اپنی مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ جس کو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہے مارے، جس کو چاہے بنائے، جس کو چاہے بگاڑے، جس کو چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے، یہ قدرت مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

صاحب اختیار لوگ مثلاً" حاکمان وقت جو لوگوں کو فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ طاقت بھی ان کو اللہ ہی نے دی ہے۔ ان کی اپنی ذاتی نہیں ہے اور اسی لئے ہم کو ان کی واجبی عزت اور فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اسی طرح انبیاء اور اولیاء سے لوگوں کو جو فائدے پہنچے اور پہنچتے ہیں اور جو معجزے اور کشف و کرامات ان سے ظاہر ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں یہ سب بھی اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ہوئیں اور ہوں گی۔ جب اللہ چاہتا ہے کہ کسی بزرگ سے کوئی کرامت سرزد ہو تو اس کی طاقت عارضی طور پر اس کو دے دیتا ہے۔ کرامات وغیرہ کی طاقتیں اولیاء کی ذاتی طاقتیں نہیں ہوتیں۔ یہ انبیاء اور اولیاء' اللہ تعالٰی کے خاص اور محبوب و مقرب بندے تھے اور ہیں۔ اللہ ان کے ذریعے سے نوع انسان کو ہدایت دیتا ہے۔ اسی لئے ہم کو ان سب کی عزت اور محبت کرنی چاہئے اور ان کے متعلق کبھی کوئی برائی دل میں نہ لانی چاہئے۔

2۔ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور سچے اور آخری رسول اور نبی ہیں۔ حضور ﷺ ایک مکمل ترین انسان تھے۔ دنیا میں جتنے انسان اب تک گزرے ہیں' اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے۔ حضور اقدس ﷺ تمام نیکیوں اور خوبیوں میں ان سے کہیں برتر اور افضل تھے۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ تھے اور حضور ﷺ کا اخلاق تمام نقائص سے بالکل پاک تھا۔

3۔ قرآن اللہ کی سچی الہامی کتاب ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی یہ آج تک ایک زیر و زبر کی تبدیلی کے بغیر اسی طرح باقی ہے۔

4۔ قرآن میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو خوشی اور تن دہی سے کرنا اور جن کو نہ کرنے کا حکم ہے ان کو نہ کرنا ہی عین اسلام ہے۔

5۔ جنت' دوزخ' فرشتے' عذاب قبر' قیامت اور حیات بعد الموت برحق ہیں۔

6۔ ایصال ثواب کا عقیدہ صحیح ہے مگر مردوں سے منتیں ماننا شرک ہے ایصال ثواب یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کی تلاوت کریں۔ یا کھانا یا کپڑا کسی غریب کو دیں یا کوئی اور نیکی کریں تو ان باتوں سے ہم کو جو ثواب ہو گا وہ ثواب ہم رسول اللہ ﷺ کی روح کو پہنچا کر حضور ﷺ کی روح مبارک کے توسل سے کسی مردہ کی روح کو بخش سکتے ہیں۔ لیکن کھانے' کپڑے وغیرہ کے لئے ضروری ہے کہ غریبوں اور بھوکوں کو دیا جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ تھوڑا سا خود بھی کھا لیا جائے۔

7۔ مردہ بزرگ ہماری تقدیر کو بدل نہیں سکتے۔ لیکن ہم ان سے روحانی فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ روحانی فیض ایک برقی طاقت ہے جو کسی مردہ بزرگ کی روح سے ہمارے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اس کی اصل کیفیت صرف تجربہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

اس دنیا میں اللہ کا قانون جزا و سزا

(سید ابوبکر غزنویؒ)

میں نے یہاں آنے سے پہلے اپنے بعض احباب سے جو اس کالج میں ہیں، مشورہ کیا کہ کیا موضوع سخن ہو؟ طے یہ پایا کہ بات اس موضوع پر کی جائے کہ اس دنیا میں کیا اللہ کا کوئی قانون جزا و سزا ہے؟ سب سے پہلا سوال جو ہمارے ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس میں ہم بس رہے ہیں یہ زندگی جو اس وقت ہم گزار رہے ہیں۔ اس زندگی میں اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہمیں کیا ملتا ہے۔ اس دنیا میں اس کے ساتھ تعلق جوڑنے میں کیا منفعت ہے؟ اور اس کے ساتھ تعلق توڑنے میں کیا گھاٹا ہے؟ منبر و محراب سے یہ آواز تو بہت اٹھتی ہے۔ نیک عمل کرو اس سے آخرت میں یہ ثواب ہوگا اور بداعمالیوں سے اجتناب کرو، وگرنہ آخرت میں یہ عذاب ہوگا۔ آخرت کا عذاب و ثواب برحق ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس دنیا میں اپنے دوستوں کو وہ بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے؟ کیا اس دنیا میں ان کے لئے ذلت و رسوائی ہے؟ اسی طرح وہ لوگ جو اس سے سرکش ہو گئے وہ جو رسیاں تڑا بیٹھے ہیں ان کے بارے میں یہ گمان کہ انہیں آخرت میں ہی سرزنش ہوگی اب وہ کھل کھیلیں اور من مانی کریں۔ اس خیال میں صداقت کہاں تک ہے؟

بات یہ ہے کہ خود قرآن میں لکھا ہے۔ خلق الانسان عجولا کہ انسان کو بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ جلد بازی تو انسان کے خمیر میں گندھی ہوئی ہے۔ وہ تو کہتا ہے اس وقت جن اذیتوں اور کلفتوں میں میں مبتلا ہوں ان سے نجات پانے کی کوئی راہ بتاؤ۔ اس وقت میری راحت کا کوئی سامان کرو۔ اس سے یہ کہنا کہ یہاں ساٹھ برس تک تم بے سہارا جیو، تم اذیتیں جھیلو، تم ذلت و رسوائی گوارا کرو، مرنے کے بعد تمہیں بہشت ملے گی، بڑی غیر حکیمانہ بات ہے۔ وہ رب العالمین ہو کر وہ رحمن و رحیم ہو کر ساٹھ برس تک ہماری دوستی کا جواب نہ دے اور ہم اس کی عاجز مخلوق ہوتے ہوئے زندگی بھر یک طرفہ دوستی نبھاتے رہیں اور جب ہم مر جائیں اور قبروں میں چلے جائیں تو وہاں وہ ہمیں سرخ رو کرے اور عزت عطا کرے، بزرگوں سے معذرت چاہتے ہوئے کہتا ہوں۔

یہ کیا دل دہی ہے یہ کیا دلبری ہے؟

اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کے لئے اس دنیا میں کیا ہے؟

یہ ہے وہ سوال جو ذہن میں ابھرتا ہے۔ میں عربی زبان کا ایک معمولی طالب ہوں۔ جب عربی زبان میں اتنی شد بد مجھے ہوئی کہ کتاب اللہ کو براہ راست مطالعہ کر سکوں تو اس سوال کا بہت صاف اور واضح جواب میں نے کتاب اللہ میں پالیا۔ قرآن مجید کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ دوستی کا صلہ..... بھرپور صلہ دوستی کے عہدو پیمان کے ساتھ ہی وہ دینے لگتا ہے۔ وہ تو واضح طور پر کہتا ہے۔ نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ (حم السجدہ ۳۱)

اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے دوست ہیں تمہارے حامی و ناصر ہیں' تمہارے پشت پناہ ہیں' یہ نہیں کہ اس دنیا میں تمہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔ وہ تو واضح طور پر کہتا ہے۔

لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ (یونس ۔ ۶۴)

وہ جو میرے ساتھ دوستی کرتے ہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں انہیں بشارت دو میں اس دنیا کی زندگی میں ان کو سرخرو کروں گا۔ وہ اپنے دوستوں کا جہاں کہیں ذکر کرتا ہے کہ فلاں دوست نے میرے ساتھ دوستی نباہی' وہ یوں کہتا ہے' وجیھا فی الدنیا والاخرۃ

میں نے اس دنیا میں اس کو معزز کیا اور آخرت میں تو اسے باعزت ہونا ہی ہے۔ انبیاء جب اس سے تعلق استوار کرتے رہے تو دعائیں مانگتے رہے۔

فاطر السموت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ (یوسف)

اے زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والے اے میرے اللہ میں تیرے ساتھ دوستی کر رہا ہوں اور تو اس دنیا میں میرا دوست ہے دوست کے معاملات سنوارنے اور سلجھانے کے لئے میں کس سے مدد چاہوں۔

دین کا غلط تصور پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام دین سے بھاگتے ہیں اور بدکتے ہیں یہ بہت ضروری ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ اس دنیا میں اس کا قانون جزاو سزا کیا ہے؟ یاد رکھئے کہ یہ سوال جو ذہنوں میں ابھرتے ہیں ان کو Supress کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کو باہر لانا چاہئے خود میرے ذہن میں بھی یہ سب سوال ابھرتے تھے اور قرآن مجید کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں ان کا جواب کتاب اللہ میں ڈھونڈتا رہا اور اب بھی ڈھونڈتا ہوں۔ قرآن مجید پڑھنے سے میرا ذہن صاف ہوا۔ قرآن نے بہت صاف اور واضح طور پر افراد کی ترقی اور انحطاط اور اقوام کے عروج و زوال کے تمام

قاعدے اور ضابطے کھول کھول کر بیان کئے قرآن نے بہت صاف طور پر بتایا کہ جونہی ایک فرد میرے ساتھ دوستی کرتا ہے میں اسے کیا عطا کرتا ہوں۔ رسما" اور رواجا" مسلمان ہونے کی بات میں نہیں کر رہا اور نہ جغرافیائی اور نسلی اعتبار سے مسلمان ہونے کا ذکر کر رہا ہوں۔ اسی لئے میں بار بار دوستی کا لفظ بول رہا ہوں تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

قرآن نے واضح طور پر کہا۔

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملئکه الا تخافوا ولا تحزنوا بالجنته التی کنتم توعدون ○ نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة (حم السجدہ ۳۰-۳۱)

فرمایا کہ دیکھو میرے ساتھ دوستی کرنے کے بعد اگر تم میری دوستی پر جمے رہے تو میں تم پر فرشتے نازل کروں گا۔ اور قرآن میں اپنے دوستوں پر فرشتوں کے نزول کا ذکر متعدد بار کیا ہے۔

فارسلنا علھیم ریحا وجنودا لم تروھا (الاحزاب-9)

خوف اور غم سے نجات

قرآن نے یہ کہا کہ ہم خوف اور غم کو اپنے دوستوں کے دلوں سے اچک لیتے ہیں۔

الا ان اولیا الله لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (یونس ۲۶)

اللہ کے ذکر سے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے پہلی بات یہ حاصل ہوتی ہے کہ یہ مال و دولت کا غم جس میں دنیا گھلتی جا رہی ہے یہ جھوٹے خداوندوں کا خوف انسان کے دل سے اچک لیا جاتا ہے اور یاد رکھئے کہ اس دنیا میں جتنی ذہنی کوفت اور روحانی اذیت ہے وہ یا خوف سے پیدا ہوتی ہے یا غم سے پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ اپنے دوستوں کے دلوں سے خوف اور غم دونوں کو نکال دیتا ہے انہیں ایک روحانی آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ لوگ جن کا اللہ سے تعلق تھا وہ کس طرح رقص کرتے ہوئے پھانسیوں کی طرف لپکتے رہے اور پھانسی کے پھندوں کو چومتے رہے۔

خیبؓ بن عدی کا واقعہ

حضرت خیبؓ بن عدی کا واقعہ مجھے یاد آنے لگا۔ صحیح بخاری میں ہے اور حافظ ابن ایثرالجزری نے بھی اسد الغابہ میں لکھا کہ حضرت خیبؓ کو حضور ﷺ نے مکہ بھیجا اور فرمایا دیکھو کہ دشمن کی تیاری کا کیا حال ہے۔ وہاں حضرت خیبؓ گرفتار کر لئے گئے۔ مقام تنعیم پر پھانسی کا پھندا لٹکایا گیا اور یہ اعلان کیا

کہا کہ آج خبیبؓ کو پھانسی دی جائے گی۔ مرد' عورتیں' بچے' بوڑھے ایک خلقت تماشائی تھی کہ اللہ کے ایک عاشق کو آج پھانسی دی جائے گی۔ جب حضرت خبیبؓ لائے گئے تو وہ وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ولست بمبد للعدو تخشعا
ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی

یعنی میں دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیکنے والا نہیں ہوں۔ میرے دشمنو تم میرے چہرے پر آج گھبراہٹ کے آثار نہ دیکھ سکو گے' تمہیں تمنا تو ہو گی کہ تم خبیب کے چہرے پر جب وہ پھانسی کی طرف جا رہا ہو' گھبراہٹ دیکھ سکو' تمہاری یہ تمنا غلط ہے-- انی الی اللہ مرجعی -- میں تو اپنے معبود کی طرف لوٹ رہا ہوں میرے چہرے پر گھبراہٹ تم کہاں دیکھ سکو گے اور کہا۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

مجھے اس جرم کی پاداش میں تم قتل کر رہے ہو کہ میں اللہ سے تعلق رکھتا ہوں اور وہ میرا محبوب ہے اگر میرا جرم یہی ہے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں جس پہلو تم چاہو مجھے مارو' جس پہلو تم چاہو مجھے پچھاڑو

لست ابالی I CARE TWO HOOTS FOR IT ذہن اور روح کی یہ کیفیت اسی دنیا میں انسان کو حاصل ہو جاتی ہے۔

سب سے بڑا ڈر جو وقت کے فرعونوں اور نمرودوں کو بھی ہوتا ہے وہ موت کا ڈر ہے۔ یہ موت کا ڈر بھی اللہ کے دوستوں کی روحوں سے اچک لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے ایک دوست نے کہا۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم
راحت جاں طلبم و زپئے جاناں بروم

(وہ دن بھی کیا غضب کا دن ہو گا جب اس دنیا سے میں اپنے محبوب کی طرف جاؤں گا' میری روح کو قرار آ جائے گا)

یہ پہلا انعام ہے جو فرد کو اس دنیا میں اللہ کے ساتھ تعلق حاصل ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

لا یقعد من قوم یذکرون اللہ الا حفتهم الملائکه وغشیتهم الرحمه ونزلت علیهم السکینه (مسلم)

(جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں' رحمت کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے)۔

آپ یہ مت خیال کیجئے کہ یہ جو اللہ والے رات بھر اس کے حضور میں بیٹھے رہتے ہیں' یونہی خشک اور بے لذت بیٹھتے ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں اور انوار الٰہی کا رزق کھاتے ہیں۔

وہ روحانی رزق جس کی لذت کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ ہیں۔ اگر فیضان الٰہی نہ ہو رہا ہو تو پانچ منٹ بھی مصلے پر نہیں بیٹھا جاتا' تسبیح ہاتھ سے چھوٹنے لگتی ہے' پھر ٹیک لگاتے ہیں اور لیٹ جاتے ہیں۔ سلطان باہوؒ نے ذکر کی لذت کو یوں بیان کیا۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیوس ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلن پر آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہوؒ جیں اے بوٹی لائی ہو

فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے میرے من کی زمین میں لفظ "اللہ" جو چنبیلی کا پودا تھا لگایا اور لا الٰہ الا اللہ کے پانی سے میری رگ رگ اور نس نس کو سینچا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے میرا سینہ مہک اٹھا ہے اور اس کی لذت سے یوں سرشار ہوا ہوں کہ آپے سے باہر ہوا جاتا ہوں۔

دوستو! یہ محض کہاوتیں اور بجھارتیں نہیں ہیں۔ میں بھی انہیں بجھارتیں سمجھتا تھا۔ میں فلسفے کا طالب علم تھا۔ جب تک یہ سب کچھ مجھ پر وارد نہیں ہو گیا خدا کی قسم جھٹلاتا رہا ان سب باتوں کو۔ تو اسی دنیا میں اللہ کی رحمتوں کا ورود ہوتا ہے۔ خاقانی نے بجا کہا تھا۔

پس از سی سال ایں نکتہ محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

خاقانی کہتا ہے کہ تیس برس تک میں مارا مارا پھرتا رہا سکون کی تلاش میں تیس برسوں کے بعد یہ بات مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ ایک پل بھی اگر خدا کی معیت حاصل ہو جائے تو یہ تخت سلیمانی کے ملنے سے بہتر ہے"

سچی اور دائمی عزت کیسے حاصل ہے؟

ذرا دیکھئے کہ قرآن مجید کہتا ہے۔

من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا (فاطر۔10)

یہ رحمتوں اور سکینتوں کا ورود تو بجا ہے۔ یہ غم و اندوہ سے چھٹکارا بھی درست مگر یہ مت خیال کیجئے کہ عزت کی تلاش میں کسی غیر کے دروازے پر جانا ہے۔ قرآن مجید نے HONOUR کا ایک واضح CONCEPTION دیا ہے۔ خدا کہتا ہے کہ عزت کا سرچشمہ اور منبع میں ہوں اور ایک دوسری جگہ کہا۔

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین (المنافقون۔8)

دیکھو "سچی عزت اللہ کو حاصل ہے اور اس کے پیغمبروں کو حاصل ہے اور مومنوں کو حاصل ہے" سچی عزت سے میری مراد وہ عزت ہے جو روح کی گہرائیوں سے کی جائے' دل اور دماغ کی ہم آہنگی سے کی جائے' سچی عزت وہ ہے جو موجودگی اور عدم موجودگی میں یکساں کی جائے۔ سچی عزت وہ ہے کہ زمانے کی لنبان گو کتنی آگے کو بڑھ جائے' وہ چمکتی رہے' وہ نکھرتی رہے اور صاحب عزت کا نام مہکتا رہے۔

خدا کہتا ہے کہ میں حقیقی اور سچی عزت اس دنیا میں اپنے پیغمبروں کو عطا کرتا ہوں اس مادیت کے دور میں' اس الحاد و زندقت کے دور میں' اس فسق و فجور اور کفران و معصیت کے دور میں بھی جو عزت محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے' جو عزت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے' جو عزت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے' اس کا لاکھواں حصہ بھی برٹرنڈ رسل اور آئن سٹائن کو حاصل نہیں۔ تمام بنی نوع انسان کے دل آج بھی چند نبیوں کی محبت اور عقیدت سے آباد ہیں۔

پھر جو ان کے دامن سے وابستہ ہوئے اور جنہوں نے انؑ سے وفا کی وہ سب معزز ٹھہرا دیے گئے۔ سچی عزت حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو حاصل ہوئی' سچی عزت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو حاصل ہوئی' سچی عزت حضرت مجدد الف ثانیؒ کو حاصل ہوئی' سچی عزت حضرت علی ہجویریؒ کو حاصل ہوئی۔ یہ کیا بات ہوئی کہ شافعی' مالکی' حنبلی' اہلحدیث آپس میں ہر بات پر جھگڑا کریں۔ مگر حضرت علی ہجویریؒ کا نام آئے تو سب تعظیم بجا لائیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نام آئے تو سب کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں۔ پس اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو عزت اسی دنیا میں بخشی جاتی ہے۔

بڑے بڑے دانشور اور سیاست دان حصول عزت کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔ کیا کیا جتن کرتے ہیں۔ دن رات اندھا دھند ایک ہی دھن میں لگے ہیں کہ عزت حاصل ہو جائے۔ شہرت اور وقار حاصل ہو جائے' بس ہمارا ہی ڈنکا بجے' الیکشن لڑے جاتے ہیں اور الیکشن میں بھی تفنن برطرف پہلے تو سات پشتوں کو گالیاں دی جاتی ہیں' الیکشن لڑتے تو اس لئے ہیں کہ عزت حاصل ہو مگر اس عزت کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ تمام آباؤ اجداد کے شجرہ ہائے نسب پر حزب مخالف لعنتیں بھیجتا ہے۔ اسمبلیوں کی رکنیت

حاصل کی جاتی ہے پھر وزارتوں کا چکر۔ غور کیجئے کہ پچھلے پچیس برسوں میں کتنی کابینائیں بنیں اور ٹوٹ گئیں کتنے وزیر اور مشیر بنے۔ پھر ان میں سے کتنے ہیں جن کے نام بھی ہمارے حافظوں میں باقی رہ گئے۔ عجب مشیت الٰہی ہے کہ جو لوگ حصول عزت کے لئے دن رات ہلکان ہوتے ہیں ان کے نام بھی ذہنوں سے محو کر دئے جاتے ہیں اور ان کے اقتدار کے زمانے میں بھی ان کی عزت محض حلق سے ہوتی ہے۔ عین اس وقت جب لوگ ان کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں ان کے دل انہیں گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور دماغ لعنتیں بھیج رہے ہوتے ہیں' یہ کیا عزت ہوئی......؟ یہ کیسی توقیر ہے.....؟

آپ کہیں گے کہ اللہ کے دوست قتل بھی ہوتے ہیں۔ اس کے دوست سولیوں پر بھی لٹکتے ہیں۔ آپ کہیں گے یہ کیسی دوستی ہوئی کہ ان کے دوست ہوتے ہوئے ان کے لاشے خاک و خون میں تڑپتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے سب دوست قاتل ہوتے تو اس کے دوستوں کے اخلاص اور وفاداری کا ثبوت کیا ہوتا۔ ہرا یرا غیرا اس کی دوستی کا دم بھرتا۔ مرنا تو سبھی کو ہے' موت کا ایک دن معین ہے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی عزت کو دوام بخشنے کے لئے شہادت کی مہریں ان کے وجود پر ثبت کرتا ہے وہ اگر اس کی راہ میں قتل نہ ہوتے تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے۔ یہ اس کی نوازش ہے کہ وہ انہیں دوستی کا حق ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ مقتول ہو کر ان کی عزت اور چمکتی ہے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا' وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے' اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

اس کے حبیب ؐ کے گھرانے کے لئے یہ مقدر ہوا کہ حق کی حمایت میں ان کے لاشے خاک و خون میں تڑپے حسین ؓ ابن فاطمہ ؓ بنت محمد ﷺ کے لئے اللہ کی مشیت ہوئی کہ اس کی خاطر اپنی جان نچھاور کرے۔ حسین ؓ کی شان دائمی اور سرمدی طور پر سلامت رہ گئی۔ وہ مقتول ہو کر بھی معزز ہوا اور اس کے دشمن قاتل ہو کر بھی ذلیل ہوئے۔

اسی طرح اگر اس کے دوست ہر حالت میں دنیوی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے تو ہر خود غرض اور نفس پرست بھی اس کی دوستی کا مدعی ہوتا۔ اگر اس کے سب دوست دنیوی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے تو دنیا والوں کے لئے اس کا ثبوت کیا ہوتا کہ اس کے دوست محض اس کی رضا کے طالب ہیں۔ وہ دنیا والوں کو یہ منظر دکھاتا ہے کہ اس کے دوست گھاس پھونس کی جھونپڑیوں میں رہتے ہوئے موٹا جھوٹا لباس پہن کر' فقر و فاقہ کی سختیاں جھیل کر بھی دوستی کی لاج رکھتے ہیں اور اس بے سروسامانی کی حالت میں بھی انہیں

ایسا ذہنی سکون نصیب ہوتا ہے اور وہ اس قدر روحانی لذت سے سرشار ہوتے ہیں کہ امراو روساء اس لذت کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔

وہ جو اس کی راہ میں فنا ہوئے دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سخت تکلیف اٹھا رہے ہیں' حالانکہ عین اس وقت جب ان کے حلق بریدہ سے خون بہہ رہا ہوتا ہے اور ان کے لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے ہیں' ان کی روحیں اس وقت بھی کلفت و اذیت سے محفوظ ہوتی ہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں' حدیث پیغمبر ﷺ کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔

مایجد الشهید من مس القتل الا کما یجد احدکم من مس القرصة (ترمذی)

(شہید کو قتل ہوتے وقت ویسا ہی احساس ہوتا ہے جیسے تم میں سے کسی کو چیونٹی چھو جائے تو وہ محسوس کرتا ہے)

بلکہ شہید کو ایسی لذت آتی ہے کہ دنیا و آخرت کی سب لذتیں شہادت کی لذت کے سامنے اسے ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔

یہ دوست کی خاطر کٹ مرنے کی سعادت' یہ اس کی خاطر مرمٹنے کا شرف' یہ اس کی راہ میں خون بہانے کی لذت' یہ جاں سپاری و جانفروشی کی سعادت' یہ وہ سعادت عظمیٰ انسان کے حصے میں آئی ہے کہ اس میں فرشتے بھی اس کے سہیم و شریک نہیں۔ یہ وہ سعادت ہے جس سے جبرائیل امین بھی محروم ہے۔ یہ وہ شرف ہے کہ اسرافیل و میکائیل بھی اس کے لذت شناس نہیں۔ وہ بھی تخلیق آدم کے وقت کہتے تھے۔

اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک (البقرۃ۔۳۰)

یعنی آدم کو کیوں پیدا کرتے ہو' وہ روئے زمین پر فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا۔ ہم جو تیری تسبیح و تقدیس میں لگے ہیں۔ اب خدا انہیں یہ منظر بار بار دکھاتا ہے کہ دیکھو یہ وہی آدم ہے جس کی تخلیق پر تم معترض تھے۔ وہ میری دوستی کا حق اپنا لہو بہا کر ادا کر رہا ہے۔

رجوع الی اللہ کی ضرورت

(ڈاکٹر محمد امین)

ہندوستان سے جنگ' کرکٹ اور ہاکی میں شکست' ملک میں خود کشیوں کا بڑھتا ہوا رجحان' اولاد کی نافرمانی' عورتوں کی اجتماعی بے حرمتی' راتوں رات امیر بننے کی دوڑ' انفرادی زندگی میں بے چینی اور بے سکونی۔۔۔۔۔۔

یہ چند وہ بڑی بڑی علامات ہیں' جو ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ پاکستان نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو لوگ بہت خوش تھے۔ خوش تو ہم بھی تھے لیکن ساتھ ہی مضطرب بھی تھے کہ اتنی خوشی' عزت اور عظمت کے بعد بھی اگر ہم اللہ کے حضور نہ جھکے تو ہمارا کیا بنے گا؟ دیکھئے درخت جب پھل سے لد جاتا ہے تو جھک جاتا ہے یہی فطرت ہے جو فرد یا معاشرہ اللہ کی نعمتوں سے لد جانے کے باوجود نہ جھکے' سمجھ لیجئے کہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور جو اس حد کو پہنچ جائے تو بعید نہیں کہ اللہ اسے اپنی نعمتوں کا مستحق نہ سمجھ کر اسے ان سے محروم کر دے۔ جب ایٹمی دھماکہ ہوا تو خوشی سے بھنگڑا ڈالنے اور واہ واہ کے ڈونگرے برسانے والے تو بہت تھے لیکن وہ کتنے تھے جنہوں نے یہ سوچا ہو کہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا حق یہ ہے کہ ہم اللہ کے آگے جھک جائیں' توبہ اور استغفار کریں اور آئندہ اپنا طرز عمل درست کرنے کا تہیہ کرلیں؟

اگر ہم مسلمان ہیں اور ہم یقیناً" مسلمان ہیں تو کیا ہمیں یقین بھی ہے کہ اس کائنات کا ایک پتہ بھی اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں ہلتا؟ فتح اور شکست' نفع اور نقصان' کامیابی اور ناکامی یہ سب انسانوں کے ہاتھ میں نہیں' اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یقیناً" یہ اللہ ہی ہے جو جسے چاہتا ہے اسے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کو عزت سے محروم کر دیتا ہے۔ تو پھر ہم عزت و عظمت کے لئے اللہ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے؟ اس کے حکموں پر کیوں نہیں چلتے؟ اس کی نافرمانی سے باز کیوں نہیں آتے؟

کیا ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اسلحہ کے زور پر جنگ جیت لیں گے؟ کیا ہم قرآن میں یہ نہیں پڑھتے کہ کتنی زبردست قومیں تھیں جو عددی برتری' اسلحے کی برتری اور قوت و شوکت کی برتری کے باوجود مٹ گئیں اور آج ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں؟ کیا قرآن ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ کتنی ہی چھوٹی قومیں اور فوجیں تھیں جو اپنے سے کئی گنا بڑی قوموں اور بڑی فوجوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئیں کیونکہ انہیں اللہ کی نصرت حاصل تھی' کیونکہ وہ اللہ کی فرمانبردار تھیں' کیونکہ وہ اللہ کی معصیت سے بچتی تھیں۔

کیا ہمیں اس پر غور کرنے کی فرصت ہے کہ ہمارا اصل مسئلہ اخلاقی ہے مادی نہیں؟ جو قومیں اپنے نظریہ حیات کو تج دیتی ہیں' اس سے منافرت برتتی ہیں وہ مٹ کر رہتی ہیں یہ ان کا مقدر ہے کہ وہ مٹ

جائیں کیونکہ فطرت کا اصول یہی ہے۔ کیا فطرت ہمارے لئے اپنے اصول بدل دے گی؟ فطرت ہمارے لئے اپنے اصول نہیں بدلے گی۔ ہمیں اپنے آپ کو بدلنا ہو گا۔ کیا ہم اپنے آپ کو بدلنے کے لئے تیار ہیں؟

اللہ کا عذاب یہی نہیں کہ ہم قومی کھیلوں میں ہار جائیں اللہ کا عذاب یہی نہیں کہ ہم جنگ میں ہار جائیں (جیسا کہ 1971ء میں ہارے تھے) اللہ کا عذاب یہ بھی ہے کہ بیٹا باپ کے سامنے تن کر کھڑا ہو جائے' بیٹی کو ماں باپ کی عزت کا پاس نہ رہے۔ مسجدیں ویران ہو جائیں اور سینما آباد ہو جائیں اللہ کا عذاب یہ بھی ہے کہ ہم اس کی کتاب سے صرف نظر کر لیں اور اسے پڑھنے' سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے اسے طاقوں میں سجا کر رکھ دیں۔ اللہ کا عذاب یہ بھی ہے کہ لوگ بھوک سے مرتے رہیں اور کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو۔ اللہ کا عذاب یہ بھی ہے کہ لوگ معاشرہ کی ناانصافیوں سے مایوس ہو کر اللہ سے بھی مایوس ہو جائیں۔ یہ صحیح ہے کہ جو اللہ سے مایوس ہو جائے اسے مر ہی جانا چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ معاشرہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے جو غریبوں کے منہ سے روٹی کا نوالہ چھین لے اور انہیں زندہ رہنے کے وسائل سے محروم کر دے؟

مایوسی پھیلانا جرم ہے لیکن حقائق سے آنکھیں چرانا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ ہمارا احساس یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی سطح پر اور ہم سب کو من حیث القوم اجتماعی طور پر توبہ کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے' اس سے اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی معافی مانگنی چاہئے اور آئندہ اس کے احکام پر صدق دل سے عمل کرنے کا عہد کرنا چاہئے۔ اگر ہماری آواز میں قوت ہوتی تو ہم تجویز کرتے کہ اس توبہ کے لئے قومی سطح پر ایک دن اور وقت مقرر کیا جائے اور اس دن ساری قوم عورتیں' مرد' بچے اور بوڑھے سب کھلے میدان میں نکلیں اور اللہ کے حضور میں گڑگڑائیں اور توبہ کریں تو شائد اس طرح نور یقین کا وہ جذبہ ہمارے سینوں میں موجزن ہو جائے جو حاصل زیست بھی ہو' فاتح عالم بھی ہو اور آخرت میں خوشنودی رب کا امین بھی۔ کاش اللہ تعالیٰ نواز شریف کو یہ توفیق دیں کہ وہ اس اجتماعی توبہ کی قیادت کریں۔

صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ آندھی آنے' گہرا بادل چھا جانے پر اور چاند و سورج گرہن لگنے کے واقعات سے متاثر ہوتے تھے اور اللہ کے حضور گڑگڑاتے' اس کے غضب سے پناہ مانگتے اور اس کی رحمت کی التجا کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ لیکن آج ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہماری زندگیوں میں اتنے بڑے بڑے تغیرات واقع ہو رہے ہیں لیکن ہم اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے؟ کیا ہم اس کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں یا ہمیں اس کی رحمت کی ضرورت نہیں رہی۔

(بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت")

خدا کو پانے والا

(مولانا وحید الدین خاں)

خدا کو پانا سب سے بڑی حقیقت کو پانا ہے۔ کوئی آدمی جب خدا کو پاتا ہے تو یہ اس کے لئے ایک ایسی زلزلہ خیز دریافت ہوتی ہے جو اس کی پوری زندگی کو ہلا دیتی ہے۔

وہ ایک ناقابل بیان ربانی نور میں نہلا اٹھتا ہے۔ وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔ اس کی سوچ نئے رخ پر چلنے لگتی ہے' اس کا عمل کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے اس کی تمام کاروائیاں ایسے انسان کی کاروائیاں بن جاتی ہیں جو خدا کے ظہور سے پہلے خدا کو دیکھ لے۔ جو قیامت کی ترازو کھڑی ہونے سے پہلے اپنے آپ کو قیامت کی ترازو پر کھڑا ہوا محسوس کرنے لگے۔

مومن اور غیر مومن کا فرق یہ ہے کہ غیر مومن پر جو قیامت میں گزرنے والا ہے وہ مومن پر اسی دنیا میں گزر جاتا ہے۔ غیر مومن جو کچھ آخرت میں دیکھے گا وہ مومن اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ غیر مومن کل کے دن جو کچھ مجبور ہو کر مانے گا اس کو مومن آج کے دن کسی مجبوری کے بغیر مان لیتا ہے۔

خدا کا وجود

خدا کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت انسان کا خود اپنا وجود ہے۔ خدا جیسی ہستی کو ماننا جتنا مستبعد ہے اتنا ہی مستبعد یہ بھی ہے کہ انسان جیسی ہستی کو مانا جائے۔ اگر ہم ایک انسان کو مانتے ہیں تو ایک خدا کو ماننے میں بھی ہمارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہونا چاہئے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ خدا نے انسان کے اندر اپنی روح پھونکی (الحجر ۲۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی صفات کا ایک بشری نمونہ ہے' وجود' زندگی' علم' قدرت' ارادہ' اختیار اور دوسری صفات کمال جن کا حقیقی مظہر صرف خدا کی ذات ہے۔ ان کا ایک عکس (نہ کہ

حصہ) انسان کو ودیعت کیا گیا ہے انسان کسی بھی اعتبار سے خدا کا جز نہیں مگر وہ اپنی ذات میں اس خدا کی محسوس دلیل ہے جس کو غیبی طور پر ماننے کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

انسان کے اندر وہ ساری خصوصیات شہود کے درجہ میں موجود ہیں جن خصوصیات کے ساتھ ایک خدا کو غیب کے درجہ میں ماننے کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

انسان کا ایک مستقل وجود ہے۔ وہ دیکھنے اور سننے اور بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ سوچتا ہے اور منصوبہ بناتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی ارادہ کے تحت حرکت کرتا ہے وہ مادہ کو تمدن میں تبدیل کرتا ہے۔ وہ ریموٹ کنٹرول سسٹم کے ذریعہ خلائی مشین کو چلاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کا شعور رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ "میں ہوں" انہیں صفات کی کامل ہستی کا نام خدا ہے۔

انسان اور خدا میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ انسان کا وجود غیر حقیقی ہے اور خدا کا وجود حقیقی۔ یہ مخلوق ہے اور وہ خالق ۔ یہ محدود ہے اور وہ لا محدود۔ یہ بے اختیار ہے اور وہ با اختیار۔ یہ فانی ہے اور وہ غیر فانی' انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ عطیہ ہے جب کہ خدا کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا ذاتی ہے وہ کسی دوسرے کا دیا ہوا نہیں۔

ہر شخص جو خدا کو نہیں مانتا' وہ یقیناً اپنا اقرار کرتا ہے۔ وہ انسانی وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ جو شخص انسان کو مان رہا ہو اس کے لئے خدا کو نہ ماننے کی کوئی دلیل نہیں۔ انسان کے وجود کا اقرار کر کے وہ خدا کے وجود کا بھی اقرار کر چکا ہے' خواہ وہ اپنی زبان سے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا انکار خود اپنا انکار ہے' اور کون ہے جو خود اپنا انکار کر سکے۔

غصہ اور اس کا علاج

ڈاکٹر سرفراز نعیمی

صرف افراد ہی نہیں۔ بلکہ قومیں بھی عروج و زوال کی منزلیں طے کرنے کے بعد ہی دنیا میں اہم مقام حاصل کرتی ہیں۔ وہ قومیں جو ٹھنڈے مزاج کی حامل ہوتی ہیں وہ کمال ہوشیاری سے دیگر قوموں کو اپنے شکنجے میں کس لیتی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس دور میں بھی ٹھنڈے مزاج کے رہنماؤں کے ہاتھوں میں قیادت کی باگ ڈور رہی ہے وہ دور مسلمانوں کے لئے بہتر رہا اور جس دور میں لاابالی، کھلنڈرے، عوام کے جذبات سے کھیلنے والے، منتقم مزاج، کینہ پرور اور عصیلے مزاج کے افراد حکمرانی کے عہدوں پر مسلط ہوئے تو عوام اور وطن ہر دو کو نقصان ہی پہنچا کیونکہ ان کے فیصلوں کے پیچھے "حمیت" نہیں بلکہ کینہ، انتقام اور "غصہ" کار فرما ہوتا تھا۔

غصہ صرف انسان کی جان کا ہی نہیں بلکہ "ایمان" کا بھی دشمن ہوتا ہے۔ محسن انسانیت حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"حضرت بہز بن حکیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ ایمان کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے جیسے ایلوا (تمہ) شہد کو خراب کر دیتا ہے"

اس حدیث مبارکہ میں غصہ کی بنا پر واقع ہونے والے نقصانات میں سے ایک نقصان کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ وہ اس چیز پر بھی اثر انداز ہو جاتا ہے جس کی حفاظت ایک انسان ہر لحاظ سے ہر ممکن طریقے سے پوری توانائیاں صرف کرتے ہوئے کرتا ہے اور اسے ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے حتی کہ وہ اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اگر اسکی حفاظت اور بقا کی خاطر اسے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑ جائے تو وہ اسے اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ وہ ایمان کی حفاظت کی خاطر بڑی سے بڑی مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ "ایمان" کی بقاء کے لئے بڑے بڑے شیطانی طاغوتوں سے ٹکرا جاتا ہے لیکن اپنے "ایمان" پر آنچ آنے نہیں دیتا لیکن غضب اور غصہ کی بناء پر انسان کا "ایمان" بگڑ جاتا ہے اس کی حلاوت ختم ہو جاتی ہے اس کا شیریں ذائقہ بدل جاتا ہے چنانچہ ایک مثال دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ہمارے ذہنوں کو جلا بخشی ہے کہ ہمارے علم میں ہے کہ شہد

کا ذائقہ کتنا لذیذ اور شیریں ہوتا ہے۔

لیکن اس شہد میں جو انتہائی میٹھا ہے ایلوا (ایک کڑوے درخت کا جما ہوا رس جو انتہائی کڑوا ہوتا ہے) ملا دیا جائے نہ صرف اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے بلکہ اس کے شیریں ذائقہ میں بھی تلخی اور کڑوا پن پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا مزہ اس قدر برا ہو جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر بدذائقہ چیز کوئی اور محسوس نہیں ہوتی اس کا چکھنا ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اگرچہ اکیلا شہد بھی مفید ہے بعض بیماریوں میں فائدہ پہنچانے والا ہے مگر جب دونوں میں ملاپ ہوتا ہے تو نقصان ہو جاتا ہے اور باعث ضرر بن جاتا ہے اسی طرح جب ایمان کے ہوتے بھی مومن اپنے اوپر غصہ طاری کر لے یا اس پر غصہ غالب آ جائے تو اس کے ایمان کے برباد ہونے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے ممکن ہے کہ غصہ کی حالت میں اس کے منہ سے کلمات کفریہ یا خدا کی شان اور اس کے حبیب علیہ السلام کی عظمت کے منافی جملے ایسے ادا ہو جائیں جو اس کے ایمان کو لے ڈوبیں یا اس کے کامل ایمان میں کمی واقع ہونے کا احتمال پیدا کر دیتا ہے اور غصہ کی بناء پر مومن اپنے ایمان کی حلاوت' مٹھاس اور شیریں پن سے محروم ہو جاتا ہے ایک طرف ایمان جس قدر شیریں ہے تو دوسری طرف غصہ اتنا ہی تلخ اور کڑوا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص اپنے غصہ کو روک لے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا"

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تم پہلوان کسے کہتے ہو؟ ہم نے کہا جس کو لوگ پچھاڑ نہ سکیں تو آپ نے فرمایا کوئی شخص کشتی (طاقت) کے ذریعے پہلوان نہیں ہوتا بلکہ پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے"

اگرچہ انسان اپنی طاقت اور قوت کے ذریعے دوسرے کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تو وہ جسمانی توانائیوں کو مجتمع کر کے دوسرے پر غالب آنا چاہتا ہے لیکن یہ جسمانی قوت تو فانی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں چند دن کے بخار اور ضعف کے باعث جسمانی توانائی ختم ہو جاتی ہے۔

غصہ انسان کے نفس کی طرف سے ہوتا ہے اور نفس ہمارا بدترین دشمن ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا اس کو پچھاڑ دینا یقیناً بہت بہادری کا کام ہے چونکہ نفس قوت روحانی سے مغلوب ہوتا ہے اور آدمی قوت جسمانی سے مغلوب ہوتا ہے جب کہ قوت روحانی قوت جسمانی سے افضل' اعلیٰ اور برتر ہے'

اس لئے نفس پر قابو پانے والا ہی بڑا اور طاقتور پہلوان ہے۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

"جو شخص بدلہ لینے کی طاقت وقدرت رکھنے کے باوجود اپنے غصہ کو پی جائے' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو ساری مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار عطا کرے گا کہ جس حور کو چاہے اپنے لئے منتخب کرلے"

حضور اکرم ﷺ نے انسان کو ہر برائی سے دور رکھنے کے طریقے سکھائے اور بتائے ہیں اور ان کا قولاً" و عملاً" کر کے بھی دکھایا ہے چنانچہ غصہ کو دور کرنے کی کئی تدبیریں بیان فرمائیں۔ مثلاً"

1 جب غصہ آئے تو زبان بند کرلے اور بالکل گونگا ہو جائے۔

2 تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کرلے۔

کیونکہ جیسے حسی آگ حسی پانی سے بجھائی جاتی ہے' ایسے ہی باطنی آگ باطنی پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ وضو میں حسی پانی کا استعمال ہے اور جسم و دل و روح کی پاکی کا ذریعہ ہے اس لئے غصہ کی آگ وضو سے بجھتی ہے۔

3 غصہ آئے تو اعوذ باللہ مکمل پڑھے غصہ جاتا رہے گا۔

4 جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھنے سے غصہ چلا جاتا ہے ورنہ لیٹ جائے۔ یہ غصہ کا دوسرا عملی علاج کہ وہ اپنا حال بدل لے تاکہ اس کے غصہ کی حالت بھی بدل جائے۔ کھڑا آدمی جس قدر جلدی حرکت کر سکتا ہے وہ جو کرنا چاہے کر سکتا ہے جب کہ بیٹھا اور لیٹا ہوا اس قدر جلدی حرکت نہیں کر سکتا۔

5 جب غصہ آئے تو لاحول پڑھ لے' یہ غصہ کا قولی علاج ہے۔

6 غصہ آئے تو ٹھنڈا پانی پی لے۔

یقیناً" دور جدید کے حکماء اور اطباء نے بھی غصہ کے دور کرنے کے بہت طریقے اور طریقہ ہائے علاج بتائے ہیں۔ مختلف ادویہ بھی اس سلسلے میں استعمال کراتے ہیں۔ غصہ کے پیدا ہونے کے اسباب سے پرہیز کی تلقین کرتے ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کے طریقہ ہائے علاج کو ہر طبقہ کا شخص بغیر کسی خرچ اور تکلیف کے ہر وقت کر سکتا ہے۔

من عرف نفسہ..... فقد عرف ربہ

(میاں ظفیر احمد)

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے وجود کی حقیقت پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں کہ وہ کیا ہیں اور وہ کیوں پیدا کئے گئے ہیں؟ اپنے آپ کو جاننے کی یہ کدو کاوش آسان امر نہیں ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے "جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا" یعنی اپنی ذات کی پہچان اپنے رب کی پہچان ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔

انسان سب برابر اور اشرف المخلوقات ہیں مگر رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر کیا گیا۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتے اور بت نہیں پوجتے۔ رسول اکرم ﷺ کو نبی آخرالزماں ﷺ مانتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے قرآن کو اللہ کی آخری کتاب اور تمام کتب سماوی کو اللہ کی کتب مانتے ہیں۔ روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ کئے جائیں گے اور دنیا میں رہتے ہوئے جو کچھ کیا اس کا حساب دینا ہو گا اور اس کے اعمال کے حساب سے اجر و ثواب اور سزا و جزا ملے گی۔ اہل ایمان کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے بھائی کو تکلیف نہیں پہنچتی ان خوبیوں کی وجہ سے مسلمان دوسری امتوں سے ممیز کیا گیا اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم میں کتنے مسلمان ہیں؟ جو اپنی اس حیثیت اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس کے مطابق اپنے روزمرہ کے معمولات زندگی گزارتے ہیں۔ اگر ایک مسلمان کی زندگی دنیا کی دوسری عام قوموں کی طرح گزرتی ہے، صبح سے شام صرف ایک دوڑ میں مصروف کہ کسی طرح دولت مند بن جائیں، اس دوڑ میں حرام حلال، جائز ناجائز سے بے نیاز ہو کر دولت، عزت، شہرت کمانے والے اور ان میں جن کی زندگی کا مقصد و مدعا ہی دنیا طلبی اور سب کچھ دنیا ہے۔ ان میں اور پھر دوسروں میں فرق کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اپنے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم جانتے مانتے ہوئے دوسری قوموں کی طرح زندگی گزارتے رہنا، تو پھر ایک مسلمان اور غیر مسلم میں فرق کیا رہ گیا۔ اس سے دنیا تو مل جائے گی لیکن آخرت غارت ہو جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "کہ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں

جن کی ساری کوششیں دنیا ہی کی زندگی میں صرف و غارت ہو کر رہ گئیں اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام کر رہے ہیں" اس کی تفسیر پر غور کیجئے۔ وہ ایسے لوگ جن کی ساری جدوجہد تگ و دو کاوش و کوشش کا مدعا اولا" بھی اور آخر" بھی یہی دنیا اور اس کی لذتیں رہتی ہیں۔ بینک کے بڑے بڑے کھاتے' اونچے اونچے عہدے اور خطابات' اونچی کوٹھیاں' نام و نمود' شہرت و اعزاز' علمی ترقیاں' معاشی کامیابیاں۔ لیکن رضائے الٰہی و فلاح آخرت کا خیال کبھی نہیں آتا' ایسے لوگوں کی ساری کوششیں ختم اور غارت ہو جاتی ہیں' وہ محض اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس کے موافق' بغیر کسی دلیل شرعی کے اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھتے رہتے ہیں۔ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح و شام' رات اور دوپہر سب اسی دنیا کے ادھیڑ بن میں رضائے مولا سے بالکل منہ موڑے ہوئے گزر رہی ہے؟ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں' جن لوگوں نے دنیاوی کامیابیوں اور خوش حالیوں کو ہی اپنا مقصد بنایا وہ خدا کی ہستی کے اگر قائل ہوئے بھی تو اس بات کی کچھ فکر نہیں کی کہ اس کی رضا کیا ہے؟ اور ہمیں بھی اس کے حضور جا کر اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔ اپنے آپ کو محض ایک خود مختار و غیر ذمہ دار حیوان عاقل سمجھتے رہے' جس کے لئے دنیا کی اس چراہ گاہ سے تمتع کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اس طرح کے لوگوں نے دنیا میں خواہ کتنے ہی بڑے کارنامے کئے ہوں' بہر حال وہ دنیا کے خاتمے کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ اپنے محلات' کارخانے اور عیش و عشرت کے دیگر وسائل جن پر وہ فخر کرتے ہیں ان میں سے تو کوئی چیز بھی اپنے ساتھ لیکر وہ خدا کے ہاں نہیں پہنچیں گے کہ خدا کی میزان میں اس کو رکھ سکیں۔ وہاں جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ صرف نیک اعمال اور نتائج عمل ہیں' اب اگر کسی کے سارے مقاصد دنیا تک محدود تھے اور نتائج بھی اس کو دنیا ہی میں مطلوب تھے اور دنیا میں وہ اپنے نتائج عمل دیکھ بھی چکا ہے تو اس کا سب کچھ کیا کرایا دنیا کے ساتھ ہی فنا ہو گیا۔ آخرت میں جو کچھ پیش کر کے کوئی وزن پا سکتا ہے تو وہ لازما" کوئی ایسا ہی کارنامہ ہونا چاہئے جو اس نے خدا کی رضا کے لئے کیا ہو۔ ایسا کارنامہ اگر اس کے حساب میں نہیں ہے تو وہ ساری دوڑ دھوپ بلاشبہ اکارت گئی جو اس نے دنیا میں کی تھی۔

(بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت")

حضرت جنید بغدادیؒ

(حافظ محمد یاسین)

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ قطب وقت، سلطان طریقت تھے ایک دن آپ اپنے پیرو مرشد حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سری سقطیؒ کو نہایت متفکر پایا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے سبب پوچھا تو پیرو مرشد نے فرمایا جنید کچھ دیر پہلے ایک نوجوان میرے پاس آیا تھا اس نے پوچھا۔

"شیخ توبہ کے کیا معنی ہیں"؟

میں نے کہا "توبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو نہ بھولے"

نوجوان نے بے ساختہ کہا "شیخ آپ کا جواب غلط ہے"

میں نے حیران ہو کر پوچھا آخر تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟

نوجوان بڑے پریقین لہجے میں بولا "توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کو یکسر فراموش کر دے"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا میں اسی وقت سے پریشان ہوں کہ نوجوان کے اور میرے جواب میں نمایاں فرق ہے۔

پیرو مرشد کی گفتگو سن کر حضرت جنید بغدادی نے عرض کیا اس میں تشویش اور فکر کی کیا بات ہے۔ میرے نزدیک تو وہ نوجوان سچ کہتا تھا حضرت سری سقطیؒ نے بڑی حیرت سے اپنے شاگرد کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا جنید تم اس نوجوان کی تائید میں کوئی دلیل رکھتے ہو۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے عرض کیا شیخ محترم صفائی کے وقت غبار کا خیال گزرنا بھی غبار ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا جواب اس قدر منطقی تھا کہ حضرت سری سقطیؒ نے بلا تامل اسے قبول کر لیا۔

ایک دن ایک عیسائی نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا "لوگ آپ کو شیخ زمانہ کہتے ہیں"

"یہ لوگوں کا حسن ظن ہے" حضرت جنید بغدادیؒ نے عیسائی نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم یہی بات کہنے کے لئے میرے پاس آئے ہو تو اپنا وقت برباد نہ کرو۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کے سوا کچھ نہیں۔ مقام شیخ بہت بلند ہے جو میری دسترس سے باہر ہے۔

دراصل میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زبان سے پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول کی تشریح سن سکوں۔

یہ سن کر عیسائی نوجوان نے سرور کونین ﷺ کی یہ حدیث سنائی۔
"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" اس کا مطلب کیا ہے؟

عیسائی نوجوان کا سوال سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے سر جھکا لیا چند لمحوں بعد حضرت جنید بغدادیؒ نے سر اٹھایا اور عیسائی نوجوان کو مخاطب کر کے فرمایا "اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اب تم مسلمان ہو جاؤ" حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد گرامی سنتے ہی عیسائی نوجوان آپ کے دست حق پرست پر ایمان لے آیا اور اس نے بر سر مجلس با آواز بلند اللہ کی واحدانیت اور سرور کونین ﷺ کی رسالت پر گواہی دی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی مجلس میں اس وقت جو لوگ موجود تھے ان میں سے بعض افراد نے عیسائی نوجوان سے پوچھا "تمہارا سوال کچھ اور تھا اور حضرت شیخؒ نے جواب کچھ اور دیا"

حضرت شیخؒ نے میرے سوال کا صحیح جواب دیا کہنے لگا میں بہت دنوں سے ایک عجیب سی ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا کہ مذہب اسلام اختیار کروں یا نہ کروں؟ میرا دل اسلام کی حقانیت کی طرف کھنچتا تھا مگر میرے پاؤں میں آباؤ اجداد کے عقائد کی زنجیر تھی۔ اسی دوران میں نے حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارک سنی اور اس کی تشریح کے لئے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حضرت شیخ کے کشف باطنہ کا یہ حال ہے کہ میری ذہنی کش مکش سے آگاہ ہو گئے پھر مجھے یقین آگیا کہ واقعتہ "مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ قدرت نے عجیب عجیب انداز سے میری دستگیری کی اور عبرت کے لئے عجیب عجیب مناظر دکھائے۔ ایک حج کا واقعہ ہے کہ ایک رات حضرت جنید بغدادیؒ تن تنہا طواف کعبہ کے لئے حاضر ہوئے تو اندھیرے میں ایک عورت بھی خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی اچانک عورت کی پر سوز آواز ابھری وہ طواف کے ساتھ کچھ عاشقانہ اشعار بھی پڑھتی جاتی تھی۔ حضرت جنید بغدادیؒ عورت کے اس عمل کو کچھ دیر تک برداشت کرتے رہے پھر جب اس عورت کی آواز طواف میں خلل انداز ہونے لگی تو آپ اس کے قریب پہنچے اور نہایت پر جلال لہجے میں فرمانے لگے۔

"اے بے خبر تجھے اس مقدس و محترم مقام پر اپنی ناکام آرزوئیں بیان کرتے ہوئے شرم نہیں آتی" عورت نے معذرت کرنے کے بجائے اسی قسم کے چند اور عاشقانہ اشعار پڑھ دیئے۔ حضرت جنید بغدادیؒ مزید کچھ کہنا چاہتے تھے کہ وہ عورت آپ سے پوچھنے لگی میں کیا کر رہی ہوں اسے چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ خدا کا طواف کرتے ہو یا خانہ خدا کا؟

حضرت جنید بغدادیؒ نے کسی تامل کے بغیر فرمایا "ہم اہل ایمان خانہ خدا کا طواف کرتے ہیں" حضرت

جنید بغدادیؒ کا جواب سن کر عورت بے قرار ہو گئی اور اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت پر سوز لہجے میں کہا سبحان اللہ تیری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی طرح بے حس ہیں اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہیں۔

انہیں یہ بتا کہ تیری مرضی کیا ہے اور تو ان سے کیا چاہتا ہے۔

عورت کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی جب ہوش آیا تو وہ عورت غائب تھی جس نے آپ کو بڑے موثر اور منفرد انداز میں توحید پر ستی کا سبق دیا تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں اخلاص میں نے ایک حجام سے سیکھا ہے مکہ میں ایک حجام کسی شخص کے بال درست کر رہا تھا میں نے کہا۔

"خدا کی راہ پر میرے بال بھی درست کر دو"

حجام نے اس آدمی سے جس کی وہ حجامت بنا رہا تھا کہا" تم ذرا علیحدہ ہو جاؤں جب خدا کا نام آگیا ہے تو پھر سب سے پہلے اسی کا کام کرنا چاہئے۔

پھر مجھے بٹھا کر پہلے میرے سر کو بوسہ دیا پھر حجامت بنا کے ایک کاغذ دیا جس میں چاندی کے ٹکڑے تھے اور کہا" اسے اپنی حاجتوں پر صرف کرو"

میں نے اس دن سے عہد کر لیا کہ اول فتوح جو مجھ کو ہو گی تو اس کے ساتھ سلوک کرونگا چنانچہ کچھ کے بعد بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس آئی میں اس کو حجام کے پاس لے گیا اس نے پوچھا" یہ کیا ہے"؟

میں نے اپنی نیت اور عہد کرنے کا ذکر کیا اس نے کہا۔

"مرد خدا تم کو شرم نہیں آتی خدا کے نام پر کام کرنے کے عوض مجھ کو دیتے ہو" !

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں جو آنکھ حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کو نہ دیکھے اس کا اندھا ہونا بہتر ہے اور جو زبان ذکر حق میں مصروف نہ ہو اس کا گونگا ہونا اچھا ہے اور جو کان حق بات نہ سنے اس کا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو بدن اس کی خدمت نہ کرے اس کا مر جانا بہتر ہے۔

فرماتے ہیں "جس شخص نے اپنے اعمال پر اعتبار کیا اس کا پاؤں ڈگمگا جاتا ہے جس نے اپنے مال پر بھروسہ کیا وہ نقصان میں پڑ گیا جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ عزت اور بزرگی والا بن گیا۔

لبرل ازم

(سید رحمت اللہ شاہ)

انسانیت وسیع تر دنیا سے سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ جمہوریت کا شور ہے لبرل 'لبریشن اور لبرٹی کی دھوم ہے تو دوسری طرف تعصبات سے گھیرا ہے' آمریت کا پرچار ہے' غلامی کی مہیب پرچھائیاں ہیں۔ انسانیت کے گرم گرم اور سرخ سرخ لہو کے دیپ آزادی کے منتظر ہیں۔

آج انفرادیت کو جو نظریہ' عقیدہ یا سلوگن ملا ہے وہ لبرل ازم ہے کیا ہے لبرل ازم؟ کھاؤ پیو اور آزاد رہو تمہارا معاشرہ خواہ کہیں جائے۔ تمہارا دیس خواہ جس حال میں ہو۔ جو کچھ بھی ہو اپنے آپ کی فکر کرو اپنے لئے بہتری کی تدبیر کرو یہ درس ہے خود فریبی اور خود غرضی کی زندگی کا کہ جس میں انسان اپنی ذات کے خول تک محیط ہے۔ باہر کی دنیا سے ناآشنا اور بیگانہ ہے اپنی رائے اور ضمیر کی آواز کو دبانے کا نام' حق کو حق جانتے ہوئے ساتھ نہ دینے اور باطل کو جانتے ہوئے بھی اس پر قائم رہنے کا نام' بہتے پانی اور گزرنے والے وقت کی رو میں بہہ جانے کا نام ہے "لبرل ازم"

اس صورت حال میں جب کہ انفرادیت کا یہ عالم ہے تو پھر اس سے بننے والی اجتماعیت کس حال میں ہے؟ لبرل ازم نے انسانیت کا قباخ چاک کیا ہے۔ میرے ملک کے بازار نفع اندوزی' سود خوری' رشوت ستانی اور قمار بازی سے سرشار ہیں۔ مکرو فریب' جھوٹ اور دھوکہ بازی میں کسی قسم کی برائی نہیں سمجھی جاتی۔ عریانی اور فحاشی اس قدر عام ہیں کہ نگاہ مسلم کو جائے پناہ اور تصورات و خیالات کو راہ فرار کہیں میسر نہیں۔ ذرائع ابلاغ' تفریح اور ثقافت کے نام پر بداخلاقی اور بے حیائی کا زہر گھول رہے ہیں۔ انسانی اقدار' انسانی ناطے اور رشتے سر عام پامال ہو رہے ہیں۔ زندگی سے بیزاری روز مرہ میں بڑھنے والے خودکشی کے واقعات سے عیاں ہے۔ اولاد اپنے ماں باپ سے باغی اور ماں باپ اپنی اولاد سے مایوس نظر آتے ہیں۔ رزق حلال کے دروازے بند اور حرام خوری عام

ہے۔ بزرگوں کے فکر و عمل سے اگر اللہ، رسول ﷺ اور آخرت کا اظہار ہو تو اور کچھ نہیں کم از کم بوڑھے بیوقوف ضرور کہلاتے ہیں۔ ذکر خدا، رسول ﷺ اور آخرت اور فکر آخرت پرانے لوگوں کی جدید دور کے تقاضوں اور اس کی امنگوں سے ناواقفیت کا موجب ٹھہرائی جاتی ہیں تاہم اس کے باوجود نسل رواں کے بے راہ روی میں بھٹکنے میں ان کی بزرگوں اور سرپرستوں کی اعلیٰ تہذیبی اور اخلاقی اقدار مانع ہیں۔ ان حالات میں نسل رواں کے ہاتھوں پروان چڑھنے والی نئی نسل کا تصور دل و دماغ کو پریشان کرنے کے لئے کافی ہے۔

لبرل ازم نے انسانیت پر خود غرضی اور بد اخلاقی کا مون سون طاری کیا ہے۔ انسان میں خود پرستی اور خود فراموشی کو عام کیا ہے۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار کو دل کی گہرائیوں میں دفن کیا ہے۔ خدا پرستی کے علم برداروں کو نفس پرستی کا شکار کیا ہے۔ آج کا انسان اس مقام پر آپہنچا ہے کہ مذہب نجی معاملہ زندگی بن چکا ہے۔ کسی کو گوارہ نہیں کہ اس کی تمدنی حالت میں مذہب کی جھلک ہو۔ اجتماعی اور معاشی نظام کا الحاق مذہب سے ہو، عملی تعلقات و روابط اور فنی طریقوں سے مذہب کا کوئی ربط ہو، جدید نظریات اور عقائد کی فطرت سے جنگ جاری ہے۔ جدیدیت نے تمام فطری حدود و قیود کو ختم کرنے کا عزم کیا ہے۔ بنیادی ہدف خاندان کو ٹھہرایا ہے۔ خاندان کا بندھن کمزور پڑنے یا ٹوٹ جانے سے معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ جدید نظریہ پرستوں نے خاندان کے مرکز و محور "عورت" کو ڈھال بنایا ہے۔ "مساوات مرد و زن" کا شوخ نعرہ دے کر بڑی بڑی کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد کیا ہے۔ کبھی آزادی نسواں کی صدا پر تو کبھی تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کے نام پر۔ سارک کانفرنس، بیجنگ کانفرنس یا قاہرہ کانفرنس کی بات ہو یا روز افزوں ہونے والے جلسوں اور جلوسوں کا تذکرہ ہو۔ سب کی کڑی اور ما حصل ایک ہی ہے۔

جدید مذہب نے عورت کے سامنے سے حقیقی تصویر کو غائب کیا ہے۔ عورت کو مساوات مرد و زن کے نام پر مرد کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ تنزلی سے چھٹکارا اور مرد کی برتری کو ختم کرنے پر اکسایا

ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سلسلہ سے منسلک ہونے کا فائدہ

(ایم محمد اکرم)

بزرگ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک ریل گاڑی میں فسٹ کلاس کے ڈبے بھی لگے ہوتے ہیں جو نہایت شاندار ہوتے ہیں۔ سیٹیں بھی نہایت عمدہ ہوتی ہیں اور اسی ریل میں تھرڈ کلاس کے ڈبے بھی جڑے ہوتے ہیں جن کی سیٹیں بھی پھٹی پرانی، پیچ بھی ڈھیلے، چوں چوں کی آواز بھی آ رہی ہوتی ہے۔ ہل بھی رہے ہیں لیکن اگر وہ انجن کے ساتھ صحیح طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ تو جہاں فرسٹ کلاس کے ڈبے پہنچتے ہیں وہاں تھرڈ کلاس کے ڈبے بھی چوں چاں کرتے پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرف نصیحت ہے کہ کسی اللہ والے سے جڑ جاؤ۔ ان سے صحیح تعلق پیدا کر لو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر عمل ان جیسے نہ بھی ہو سکے کچھ کمی بھی رہی تو بھی انشاء اللہ اس تعلق کی برکت سے توبہ، استغفار و ندامت کے سہارے ان کے ساتھ ہی محشور ہونگے اور جنت تک پہنچ جائیں گے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں سے تعلق رکھنے والا اگر کامل نہ بھی ہو سکا تو تائب ہو جائے گا۔ اگر کاملین ہی نہ اٹھایا گیا تو کم سے کم تائبین میں ضرور اٹھایا جائے گا۔ اگر زندگی بھر اصلاح نہ ہوئی لیکن مرنے سے کچھ پہلے ان بزرگوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور تعلق کو غالب کر کے اور غیر اللہ کے تعلق کو مغلوب کر کے اپنے پاس بلاتا ہے۔ اللہ والوں سے تعلق رکھنا ضائع نہیں جاتا۔

بیماری' شیطان اور جادو وغیرہ سے نجات

(سید محمد عبداللہ بخاری)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقہ فطر کی نگہبانی کے لئے مقرر کیا آپؓ رات کے وقت پہرہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور وہ کھجور اٹھا کر جانے لگا آپؓ نے اس آدمی کو پکڑ لیا وہ منت سماجت کرنے لگا اور کہا کہ میں بال بچے دار ہوں بہت محتاج ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی عاجزی دیکھ کر اسے چھوڑ دیا۔ اگلے روز رات کو پھر وہ آ گیا اور دوبارہ کھجور چرانے لگا آپ رضی اللہ عنہ نے پھر اسے پکڑ لیا اس نے پھر عاجزی دکھائی' منت سماجت کی اور کہا کہ مجھے چھوڑ دو پھر نہیں آؤنگا آپؓ نے پھر اس پر رحم کھایا اور اسے چھوڑ دیا تیسری دفعہ وہ پھر آ گیا اور چوری کرنے لگا حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب میں آپ کو چھوڑونگا نہیں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے پاس لے چلوں گا اس نے پھر عاجزی کی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو آیۃ الکرسی کی فضیلت بتائی اس نے کہا ابو ہریرہؓ جب تو رات کو سونے کے لئے بستر پر لیٹنے لگے تو آیت الکرسی پڑھ لیا کر۔ صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر رہے گا اور تیرے پاس شیطان نہ بھٹکنے پائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ سارا واقعہ اور بات آنحضرت ﷺ سے بیان فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا ابو ہریرہؓ اگرچہ وہ بڑا جھوٹا ہے مگر یہ بات اس نے سچ کہی۔ اور یہ شخص شیطان تھا۔

رات کو سوتے وقت آیت الکرسی' قل شریف پڑھنا چاہئے اور ہاتھوں کی

انگلیوں پر دم کر کے سارے جسم پر پھیر دیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ آدمی کی ہر طرح سے حفاظت فرماتا ہے اس کے پڑھنے سے جادو وغیرہ زائل ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس اپنے اوپر پڑھ کر دم کرتے جب علالت سخت ہو گئی تو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ یہ سورتیں پڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے سارے جسم پر پھیرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ جب رات کو اپنے بستر پر سونے کے لئے تشریف لے جاتے تو دونوں ہتھیلیاں ملا کر سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھ کر دم کرتے اور سارے بدن پر جہاں تک ہو سکتا انہیں پھیر لیتے پہلے سر، چہرہ انور پھر بدن کے سارے سامنے والے حصے پر ہاتھ پھیرتے پھر دونوں ہاتھ بدن کے پچھلے حصے اور کمر وغیرہ پر پھیرتے تھے۔

اگر ہم ان سورتوں کو اپنا روازنہ کا معمول بنالیں تو نہ صرف ہمیں آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا بلکہ بیماری، آفت، جادو وغیرہ سے نجات بھی ملے گی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو سوتے وقت سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں (آمن الرسول سے آخر تک) پڑھ لے اسے یہ کافی ہو نگی۔ یعنی شب بیداری اور تہجد گزاری کا ثواب اسے مل جائے گا یا وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(ڈاکٹر ہلوک نور باقی)

تہہ در تہہ سات آسمان

اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن (الطلاق ۱۲)

ترجمہ! "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کی مانند"

بہت سی آیات میں قرآن کریم نے جو ایک عظیم الشان کتاب ہے' کائنات میں سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے۔ سائنس پچھلے دو سالوں سے کائناتی فضا (کوسموس) کا مطالعہ کرتی رہی ہے۔ مگر ابھی تک اس موضوع پر کوئی واضح معلومات حاصل نہیں کر سکی۔ یہ صرف پچھلے پچیس سالوں میں ہوا ہے کہ آسمانی طبیعیات (ASTROPHYSICS) کے میدان میں انتہائی دلچسپ دریافتیں اس طرح سامنے آئی ہیں کہ قران کے معجزات بالکل عیاں ہو گئے ہیں۔ ابھی تک سائنس نے جو دریافتیں کی ہیں وہ سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں۔ مگر اس نے پچھلے دو سو سالوں کی غلطیوں کو کم از کم ماننا شروع کر دیا ہے۔

آیئے پہلے پہل قرآن حکیم کی ان آیات کا مجموعی طور پر مطالعہ کریں جن کا تعلق سات آسمانوں سے ہے۔ پھر ہم ان کی سائنسی توجیحات کو اسطرح دیکھیں گے کہ ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرح ایک دوسرے سے مطابقت ظاہر کرتی ہیں۔

(الف) سورۃ الملک آیت نمبر3

ترجمہ! "وہی (اللہ) ہے جس نے تہہ در تہہ سات آسمان بنائے" (طباقا)

(ب) سورۃ البقرۃ آیت نمبر29۔

ترجمہ "وہی (اللہ) تو ہے جس نے پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کئے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے"۔

(ج) سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر44

ترجمہ! "اس کی پاکی (عظمت) تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے"

(د) سورۃ نوح آیت نمبر15

ترجمہ! "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ در تہہ بنائے"

(۵) سورۃ الانبیاء آیت نمبر12

ترجمہ! "اور (اللہ نے) تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کیے"

سورہ المومنون آیت نمبر17

ترجمہ! "اور تمہارے اوپر ہم نے سات آسمان بنائے۔ تخلیق کے کام سے ہم کچھ نابلد نہ تھے"

دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "اور مخلوقات کی طرف سے ہم غافل نہ تھے یا نہیں ہیں"

آیئے اب ذرا غور سے دیکھیں کہ جدید آسمانی طبیعیات (اسٹرو فزکس) نے فضا اور نظام کائنات کے متعلق ہمارے علم میں کیا اضافہ کیا ہے۔

ماضی قریب میں چند دہائیاں قبل سائنسدانوں کا یہ مفروضہ تھا کہ کائنات میں تقریباً بیس لاکھ ستارے ہیں۔ مگر آسمانی طبیعات کے علم کی دریافتوں کی وجہ سے یہ مفروضہ بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ جدید سائنسدانوں نے نظام کائنات (کوسموس) کو حسب ذیل طریقہ سے بیان کیا ہے۔

نظام کائنات مختلف النوع مگر ہم مرکز مقناطیسی تہوں کو ظاہر کرتا ہے۔ درمیان والی پٹی (بیلٹ) ستاروں کے اس گچھے پر مشتمل ہے جس کے اندر ایک سورج ہوتا ہے جسے گلیکسی بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں مزید کئی گلیکسیوں کے گچھے ہوتے ہیں۔ ان میں ستارے بے حد زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر یا باہر کی طرف ایک اور میدان ہوتا ہے جس میں مختلف قسم کی مقناطیسی خصوصیات ہوتی ہیں اور جو کئی کوزرین (QUASARS) کا حامل میدان ہوتا ہے۔ یہ ستاروں کے بیچ والی مشین یعنی ستاروں کے بیجوں کی ہچریاں (HACHERISES) ہوتی ہیں۔ جو اس میدان کو گھیرے ہوئے ہوتی ہیں۔ ایک اور تیسری مقناطیسی پٹی کائنات کے اور آگے دور کے علاقوں پر محیط ہوتی ہے۔

سب سے زیادہ اندر کا دائرہ اور بطور خاص ہمارا اپنا "شمسی نظام" بمعہ اس کے ستاروں کی فیملی کے سب سے زیادہ آسانی سے نظر آکر زیر مطالعہ آسکتا ہے۔ اس نظام کے اندر کا ڈھانچہ تین الگ الگ مقناطیسی میدانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ہر جرم فلکی (ستارہ) جو سورج کے گرد گھومتا ہے ایک مقناطیسی میدان کا حامل ہوتا ہے۔ اور اگر یہ موجود ہو تو اس کا ایک کرہ باد (فضا) بھی ہوتا ہے۔ اس کا تعلق سیارے کے قرب و جوار یا پڑوس کے علاقے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ سیارے اپنے نظام شمسی کے ساتھ منضبط ہو کر ایک دوسرا مقناطیسی میدان بناتے ہیں۔ ایک ثریا میں ہر شمسی نظام ایک علیحدہ مقناطیسی خطہ بناتا ہے اور صرف ہماری ستاروں کی منور پٹی والی کہکشاں ہی میں ایک سو ارب (ایک سو بلین) ستارے یا سورج ہیں اور اس سے اونچے درجے پر کہکشاؤں کے جھرمٹوں کے اندر ایک دوسرے سے قریب کہکشائیں مل کر ایک اور مقناطیسی میدان کے تابع ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب آپ زمین سے یا کسی اور سیارے سے آسمان یا فضائے بسیط میں نظر کرتے ہیں تو آپ ان سات مقناطیسی میدانوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو پیچھے ہٹتے ہوئے اور سکڑتے ہوئے فضائے بسیط کی لامتناہی (INFINITY) تک پہنچتے ہیں۔ زمین پر سے نظام کائنات (کاسموس) کا مشاہدہ درج ذیل طریقے سے ہے۔

1۔ وہ فضائی میدان جو ہم اپنے شمسی نظام کے ساتھ مل کر بناتے ہیں' وہ ہے "پہلا آسمان"

2۔ ہماری ثریا (گلیکسی) کا فضائی میدان "دوسرا آسمان" بناتا ہے۔ وہ مقناطیسی میدان جو ستاروں کی حسور پٹی (ملکی وے) کے بالکل اندر "منظر" کو تشکیل دیئے ہوئے ہے ابھی حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔

3۔ ثریاؤں کا ہمارا مقامی جھرمٹ (LOCALCLUSTER) "تیسرا آسمان" بناتا ہے۔

4۔ کائنات کا وہ مرکزی مقناطیسی میدان جو ثریاؤں کے جھرمٹوں کی یکجائی (COLLECTIVITY) کو ظاہر کرتا ہے وہ "چوتھا آسمان" ہے۔

5۔ وہ کائناتی پٹی (کوسمک بینڈ) جو نیم نجی ریڈیائی منبے (کوازرز) کو ظاہر کرتی ہے "پانچواں آسمان" ہے۔

6۔ پھیلتی ہوئی کائنات کا وہ میدان جو پیچھے ہٹی ہوئی ثریاؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ "چھٹا آسمان" ہے

7۔ سب سے باہر (دوری) والا وہ میدان جو کائنات کی لامتناہی کا منظر ہے۔ "ساتواں آسمان" ہے۔

چنانچہ اس طرح تہ در تہ سات آسمانوں کی نشاندہی ہوتی ہے جن کا ذکر قرآن حکیم نے چودہ صدیاں قبل ہی کر دیا تھا۔

وہ معجزہ جو واقعی ذہن کو ماؤف کر دیتا ہے وہ روشنی ہے جو دوسری آیات' اوپر بیان کردہ حقائق پر ڈالتی ہیں اور جنہیں سائنس نے حال میں ثابت کیا ہے ہم نے ان میں سے چند کا ذکر تو پہلے کر دیا ہے۔ ان کا سرسری خلاصہ ہم پھر دہراتے ہیں۔

(الف) سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر5 کی رو سے متعدد آسمان' شدید مقناطیسی میدانوں کے پیدا کردہ بے پناہ دباؤ اور تناؤ (تفطر) کا شکار ہیں۔

(ب) سورۃ الذاریات کی آیت نمبر47 میں کہا گیا کہ "آسمان کو ہم نے زور سے پھیلایا" (یا وسیع کیا)

(ج) سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر106 میں فرمایا گیا "ہم نے کائنات کو اوراق کی مانند بنایا ہے ہم لپیٹ دیتے ہیں"

(د) سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر30 میں فرمایا "سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انھیں جدا کیا"

ان آیات کی علیحدہ تشریح آئندہ اوراق میں بیان کی جائے گی۔ مگر اس موقع پر اہم بات یہ ہے کہ قرآن سات آسمانوں کا محض ذکر کر کے ہی اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑ دیتا بلکہ کائناتی طبیعیات (اسٹرو فزکس) کے علم کے تناظر میں جدید ترین مادی تشریحات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

سات آسمانوں کے نظریہ کو بہتر طور پر سمجھنے کے سلسلے میں میں آسمانی طبیعیات کے علم سے متعلق معلومات کا مزید خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اوپر بیان کئے گئے آسمانوں کی تہوں کا مطلب ناقابل تصور فاصلوں کا معاملہ ہے۔ پہلی آسمانی تہہ اندازاً" ساڑھے ساٹھ کھرب (6.5 TRILLIONS) کلومیٹر چوڑی ہے۔ دوسری تہہ یا ہماری ثریا (GALAXY) کا قطر ایک لاکھ تیس ہزار نوری سال ہے۔ تیسرا آسمان یا ہمارا مقامی جھرمٹ بیس لاکھ نوری سالوں پر محیط ہے۔ چوتھا آسمان پر جو ثریاؤں کا جمگھٹا ہے اور جو کائنات کے بالکل اندر کا "مغز" یا مرکز ہے قطر میں ایک کروڑ نوری سال کے برابر ہے۔ پانچواں آسمان ایک ارب نوری سالوں کا فاصلہ پر ہے اور چھٹا آسمان بیس ارب نوری سالوں یا 193x10/21 کلومیٹر دور ہے۔ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کوئی مادی سواری یا شے نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی ایک وجہ تو اس سلسلے میں رفتار کا معاملہ ہے۔ دوسرے راستے کی مقناطیسی موجودات کو عبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان آسمانوں تک پہنچنے کے لئے یا ان سے گزرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس رفتار سے سفر کیا جائے وہ روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ ہو۔ یعنی اس کا مطلب ہے کہ مادہ کی دنیا سے ہی نکل جانا ہو گا۔

جیسا کہ ہم نے موضوع نمبر2 میں دیکھا ہے کہ قرآن حکیم نے فاصلوں کے لطیف رموز کو بھی بیان کیا ہے۔ کچھ سائنسدانوں کے خیال میں ستاروں کے جھرمٹوں کے درمیان میں سیاہ شگاف ایک جھرمٹ سے دوسرے کی طرف چھلانگ (JUMP) کے مرحلہ میں مددگار ہوتے ہیں۔ ایک سیاہ شگاف کا وجود گلیکسی M87 میں تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بصیرت قرآن کی سورۃ میں ہمیں ملتی ہے۔ قرآن حکیم نے سات آسمانوں کے ذکر کے ذریعے آسمانی طبیعیات (اسٹرو فزکس) سے متعلق تمام حقائق کو بیان کر دیا ہے۔

آیئے اب سات تہوں والے آسمانوں کے اصولوں پر شروع میں درج آیات کی روشنی میں تحقیقات کریں۔

یہ بالکل عیاں ہے کہ سات تہوں والے آسمانوں سے متعلق ایک مکمل نظم اور ان کا مضبوط مادی وجود ہی وہ پہلا نکتہ ہے جس پر ان آیات میں زور دیا گیا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام چیزیں جو ان آسمانوں میں ہیں اللہ کی حمد و ثناء اور اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں۔ تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ' نے ان آسمانوں کی طرف ان کے خالق ہونے کی حیثیت سے توجہ کی۔ اور

اپنی رضا اور اپنی پاک طاقت سے ان کو مخصوص شکل میں قائم کیا۔ یہ اللہ کے ہر جگہ پہ موجود ہونے کا بیان ہے جس نے آسمانوں کی مقناطیسی قوت اور خصوصیات کی ابتداء کی۔

جہاں تک سورۃ المومنون کی آیت نمبر17 کا تعلق ہے' اس میں سات آسمانوں یعنی کہ سات راستوں کا ذکر آیا ہے۔ تمام تفاسیر لکھنے والے علماء کے نزدیک سات راستوں سے مراد سات آسمان ہی ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ یہاں باریکی یہ ہے کہ سات آسمانوں کو سات راستوں (طرائق) اس لئے کہا گیا ہے تاکہ ہم سات میدانوں کو باآسانی سمجھ سکیں۔ چنانچہ قرآن میں راستوں کے ذکر کے ذریعے پیمائش جسامت' آسمانی فاصلے اور لامحدود رفتاریں قرآنی زبان میں اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

اب ہم ان آیات مبارکہ کی ان تعریفوں اور تشریحات کی طرف جاتے ہیں۔ جو حقیقت میں سات آسمانوں کے نظریہ پر مزید روشنی ڈالیں گی۔

سبع سموات طباقا

لفظ طباقا سے مراد ایک دوسرے سے مطابقت یا اتفاق رکھنا۔ یہ معنی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سات علیحدہ علیحدہ مقناطیسی میدان ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی اور حسن ترتیب سے جڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ہم آہنگی ان کے یعنی آسمانوں کی بنیادی بناوٹ کے ڈھانچوں کے اختلاف کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ ورنہ تو اگر ساتوں آسمان ایک ہی جیسے ڈھانچوں کے ہوتے تو یہ کہنے کی بطور خاص کوئی ضرورت ہی نہ تھی کہ وہ آپس میں ہم آہنگ ہیں۔

مادی نقطہ نظر سے یہ ہم آہنگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ آسمانوں کے یہ میدان جن کی مقناطیسی خصوصیات اور صلاحیتیں الگ الگ ہیں اپنے سرحدی نکات یا مقامات پر موزوں اوصاف سے جڑے ہوئے ہیں۔ مزید برآں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر5 اعلان کرتی ہے کہ ان آسمانوں کی زبردست حیثیت کی طاقت ان کی اوپری سرحد پر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو توانائی کی مدور اور بیضوی مقناطیسی لائنوں کا آپ میں اہم آہنگ ہونا سمجھ میں آجانے والی بات ہے۔ اس لئے کہ یہ آیات ایسی ممکنات کو خارج از امکان قرار دیتی ہیں کہ اوپری سرحد پر موجود شدید اور مخالف توانائیاں کسی طرح سے بھی آسمانوں کے اس نظام کو درہم برہم کر سکتی ہیں۔ وہ اس لئے کہ ساتوں آسمانوں کے درمیان ہر مقام پر ہم آہنگی موجود ہے۔

ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک گزر جانے میں یہ ہم آہنگی الگ الگ خصوصیات کی حامل ہے۔ یعنی گو کہ ساتوں آسمان آپس میں ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ایک آسمان سے گزر کر دوسرے آسمان تک جانے کا راستہ صرف "سیاہ شگافوں" (بلیک ہول) یا فضا میں اسی قسم کے "کیڑے کے گزرنے

والے راستوں" جیسے سوراخوں (WORMHOLES) سے ہو کر ہی گزرتا ہے۔

(ب) "طباقا" کا مفہوم ایک قسم کی تہہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ آسمانوں کی تہی بخش نوعیت پر زور دیتی نظر آتی ہے۔ اگرچہ قرآن کی قدیم تفاسیر طبقہ سے "طباقا" کے اوپر بیان کردہ معانی کی طرف کوئی واضح ہمت افزائی نہیں کرتیں لیکن جب وہ تفاسیر لکھی گئیں تھیں اس وقت تک مقناطیسی تہوں اور میدانوں کی دریافت بھی تو نہیں ہوئی تھی۔

قطع نظر اس کے کہ لفظ تہوں' اور ہم آہنگی کے کیا معنی لئے جاتے ہیں اہم بات یہ ہے کہ فضائے بسیط میں مقناطیسی میدانوں کے درمیان موزونیت' تسلسل اور مطابقت موجود ہے۔ آیت کریمہ کے معنی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تینوں خصوصیات' ساتوں آسمانوں پر موجود اور جاری ہیں۔

سات آسمانوں کے سلسلے کی آیات میں سب سے زیادہ اہم آیت وہ ہے جو بالکل مختلف قسم کے رازوں کو بیان کرتی نظر آتی ہے۔ یہ آیت کریمہ سورۃ الطلاق کی آیت نمبر 12 ہے جس میں ارشاد ہوا کہ "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی انہی کی مانند (یعنی اسی تعداد میں) اسی ہی کا حکم (چلتا) ہے۔"

جواہر (ایٹم) جیسا کہ سب جانتے ہیں دنیا کی تعمیر میں بنیادی تعمیری بلاک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایٹموں کے ڈھانچے کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک مرکزہ (نکلیس) کے حامل ہیں جس کے اردگرد حرکت کرتے ہوئے منفی بار یعنی الیکٹرون کا ایک بادل سا ہوتا ہے۔ الیکٹرون کا یہ بادل ایک مخصوص الیکٹران کی توانائی کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ شروع شروع میں ایک ڈھانچے یا بناوٹ کو نظام شمسی سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ مگر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ تمثیل غلط ہے اور خاصی گمراہ کن ہے۔ اس لئے یہ نظام مشابہت میں نظام شمسی کی نسبت سات آسمانوں کے نظام سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منفی بار کا ہجوم (الیکٹرانز) کسی ایسے مدار والے خول (ORBITAL SHELL) کا خود اپنے طور پر بغیر کسی پروگرام کے الل ٹپ انتخاب نہیں کر سکتا۔ بلکہ انہیں نوات یا مرکزہ کو گھیرے ہوئے عین صحیح اور مخصوص توانائی کی سطح کے تابع ہونا پڑتا ہے۔

جی ہاں! عزیز قاری ایٹمی مرکزہ کو گھیرے ہوئے سات ہی مدار کے حامل خول (شیل) ہیں۔ منفی باروں یا الیکٹرانوں کی نسبت سے ہی ان کو مداری خول کہا جاتا ہے۔ ایک الیکٹرون میں اگر مناسب توانائی ہو تو وہ ان مداروں میں سے ایک کے اندر حرکت پذیر ہو سکتا ہے۔ مگر ایسی صورت میں یہ آیت کریمہ بطور خود ایک سائنسی معجزہ ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ہمیں اس حقیقت کا شعور عطا کرتی ہے کہ آسمانوں کی عظیم کائناتوں میں یعنی میکرو کوسموس میں موجود سات مقناطیسی میدان' زمینی ایٹم کی کائنات (مائیکرو

کوسموس) میں بھی اسی طرح موجود ہیں اور پہلے کا پر تو دوسرے میں نظر آتا ہے۔
ایٹم کی بے حد چھوٹی الیکٹرونی دنیا میں ان چھوٹے چھوٹے خولوں کی تہیں بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک مدار سے دوسرے مدار میں منتقلی کے لئے ایک عظیم توانائی کی مقدار چاہئے۔ ہر مرکزہ (نکلیس) الیکٹرانوں کو پورے ساتوں خولوں میں مقید نہیں کر سکتا۔ یہ الیکٹرانوں کو ان سطحوں پر صرف اس حد تک قائم رکھ سکتا ہے' جہاں تک کہ برق مقناطیسی ڈھانچہ (electromagnetic structure) یعنی پروٹونوں کی تعداد اس کی اجازت دیتی ہے اس ساری بات کا لب لباب یہ ہے کہ اگر ہم ایک بے حد چھوٹے ایٹمی مرکز پر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے تو تب بھی ہم آسمان کی طرف سر اٹھاتے تو ہمیں سات آسمان ہی نظر آتے اور الیکٹرانوں کی موجودگی ہمارے لئے سیاروں کا نظارہ پیش کرتی۔
سات آسمانوں سے متعلق ایک اور نظریہ لامتناہی پیائش جسامت سے متعلق ہے۔ اگر ہم موضوع نمبر سات میں بیان کردہ تدریجی تفریق والی فضائے بسیط کو ذہن میں لائیں تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ کائناتوں میں فضاہائے بسیط مختلف جہتوں اور پیائشوں سے مل کر وجود میں آئی ہیں۔ مغرب میں متعدد سائنسدانوں نے جنہیں ہم آئن سٹائن کے نظریات کے ماننے والے کہہ سکتے ہیں' یہ اعتراف کیا ہے کہ چار سے زیادہ پیائشوں کی جہتیں (DIMENSIONS) واقعی موجود ہیں۔
اب ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف آسمانوں میں مختلف پیائش کی حامل الگ الگ جہتوں والی فضاہائے بسیط موجود ہیں۔ اس مفہوم میں سات آسمانوں کا نظریہ سات علیحدہ کائناتی موجودات (CONTINUA) کا احاطہ کرتا ہے۔ چونکہ چوتھی پیائش جسامت یعنی وقت سے آگے کچھ تصور بھی نہیں کر سکتے' تو ہم اپنے موجودہ زمانے میں ان پیائشوں کی کوئی تفصیل بھی نہیں دے سکتے۔ اسلام کے عظیم مفکرین اور علماء کے خیالات اور تحریروں میں ان پیائشوں کے سلسلے میں مختلف دنیاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی مثالیں فرشتوں کی دنیا اور روحوں کی دنیا وغیرہ جیسے ذکر ہیں۔
ہمیں چاہئے کہ ہم عقلی سائنس کے اب تک حاصل کردہ ادراک کے اندر نہ صرف ستاروں کے جھرمٹوں اور مادی کائنات کے متعلق غور و فکر کریں بلکہ ساتھ آسمانوں کے نظریہ سے متعلق مزید پیائش ہائے جسامت کے متعلق بھی تحقیقات کریں۔ ایک اور اہم مگر مشکل مطالعہ اور تحقیق ایٹموں کی مختلف توانائی کی پٹیوں سے متعلق ہے۔ قرآن نے کائناتوں کے طبعی علوم کو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلا دیا ہے۔ تاکہ ہم ان کا باآسانی مطالعہ کر سکیں۔

اسلامی اقدار کے فروغ کی ضرورت

(شاہ بلیغ الدین)

دو لڑکے ہوں گے کوئی سترہ اٹھارہ برس کے' ہاتھوں میں خود کار بندوقیں اور طاقت ور بم لئے اپنی جماعتوں سے نکلے اور اندھا دھند نہیں بلکہ بہت دیکھ بھال کر اپنے کچھ ساتھیوں کو نشانہ بنانے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آتا کہ یہ ہابیل اور قابیل کہاں سے آ گئے۔ ایک کا نام ایرک حیرت دوسرے کا ڈالان کل بولڈ ...... دونوں یہ نعرہ لگاتے ہوئے آئے کہ ہم خون کی ندیاں بہانے نکلے ہیں...... اس وقت انسانیت ایک ہائی سکول کی عمارت میں انگشت بدنداں کھڑی تھی کہ علم حاصل کرنے کی خواہش میں آنے والے لڑکے درندوں کے روپ میں کیسے دکھائی دیتے ہیں۔ پولیس کو ان لڑکوں کی ایک ڈائری ملی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال بھر سے وہ ہٹلر کی سالگرہ پر خونریزی کا منصوبہ بنا رہے تھے' جس کے تباہ کن اثرات کو وہ زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی تدابیر میں لگے ہوئے تھے۔ ان کا ایک ساتھی شمالی امریکہ کے دور دراز علاقے سے کمپیوٹر کے نیٹ ورک پر ان کے ذہنی غسل پر لگا ہوا تھا۔

یہ تعصبات کے مارے نوجوان ٹرنچ کورٹ مافیا کے علمبردار ہیں۔ "گورے حکمرانی کے لئے اور کالے غلامی کے لئے ہیں"۔ یہ ان کا نعرہ ہے۔ ڈنوور شہر کے شیرف صاحب یعنی پولیس کے کرتا دھرتا جان سٹون کا کہنا ہے کہ وہ پورے سکول کی عمارت کو آگ لگانا' تباہ کرنا اور زیادہ سے زیادہ لڑکوں کے خون سے ہولی کھیل کر جلتی ہوئی عمارت کے شعلوں پر سے گزرنا چاہتے تھے۔ مجرموں کی تحریری ڈائری سے یہ تفصیل معلوم ہوئی ہے جس کے نتیجے میں سرکاری اعلان کے مطابق بارہ طالب علم ایک استاد اور خودکشی کرنے والے دونوں مجرموں کو ملا کر جملہ پندرہ تعداد بتائی جاتی ہے لیکن عام طور پر خبر رساں ایجنسیاں مرنے والوں کی تعداد کو اس سے کہیں زیادہ سمجھتی ہیں۔ شروع شروع میں پچیس کی اطلاع آئی تھی پھر یہ بدلتی گئی' ان مجرموں کی ڈائری میں کثرت سے جرمن الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک سال سے اس تباہی و بربادی کے لئے یہ دونوں سرگرم تھے۔ ان کے گھروں کی تلاشی سے بم بنانے کا مادہ اور شاٹ گن کی نالیاں نکلی ہیں۔ یہاں کی پولیس ان لڑکوں کے والدین سے سخت برہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں والدین اپنی اولاد کے مقابلے میں بہت بے بس ہیں۔ یہاں کے قوانین کا نتیجہ یہ ہے سیاسی نمائندے اپنے انتخاب کے لئے نابالغ رائے دہی کے پابند ہیں۔ انیس سال سے نیچے کے لڑکے اور بلوغت کی عمر کو پہنچنے والے کچھ ہی آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ ان لڑکوں کے مفادات اور رنگ ڈھنگ ایک جیسے ہوتے ہیں اس

لئے رائے وہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے۔ صدر کلنٹن خود بھی کہتے ہیں کہ لڑکوں کو اسلحہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے مگر کیا کیا جائے کہ پارلیمنٹ کے نمائندے اس کے حق میں نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم جری اور شکاری قوم ہیں ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہتھیار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جان سٹون شیرف کا کہنا ہے کہ بچوں کی ایسی خونی حرکتوں پر والدین کو ہم معاف نہیں کر سکتے۔ انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیوں انہوں نے اپنے بچوں کی مصروفیات کو چھپائے رکھا اور بروقت اس کی اطلاع قانون کے محافظین کو نہیں دی۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور شمالی امریکہ میں لڑکوں کی یہ حالت مغرب کی برسوں کی حکمت عملی اور وہاں کی سوسائٹی کی توڑ پھوڑ کا نتیجہ ہے۔ یہاں خاندانی زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نہ ماں باپ اپنے والدین پر رحم کھاتے ہیں نہ اپنی اولاد کو بالغ ہونے کے بعد اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔ بہت سے خاندان ایسے ہیں جہاں باپ ہے تو ماں کا پتہ نہیں' ماں ہے تو باپ کا علم نہیں۔ ہر ایک مال و زر کا متوالا اور اپنی زندگی کے سوا کسی اور کے لئے ایثار اور ہمدردی کا جذبہ نہیں رکھتا۔

نشہ اور جنس دونوں برائیوں میں یہاں کے نوجوان بہت بڑی اکثریت میں مبتلا ہیں۔ جنسی جرائم یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نو عمروں کے لئے فوجداری اور تعزیراتی قوانین بڑے نرم ہیں۔ گھناؤنے جرائم پر بھی کم عمری کی وجہ سے انہیں معمولی سی پرسش کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں سب خود مختار ہیں۔ مذہب کا کوئی مقام نہیں' احتساب کی کوئی صورت نہیں' اس لئے یہ معاشرہ مادر پدر آزاد بن گیا ہے۔ ہمارے لوگ جو یہاں آئے ہیں ان کے بچوں نے بھی خربوزہ دیکھ کر خربوزوں کی طرح رنگ پکڑا ہے۔ حرام کاری اور نشہ دونوں یہاں دانش مندی اور فیشن کی علامت بن گئے ہیں۔ حرام بچوں کی نگہداشت کے ادارے بچوں کو پال لیتے ہیں اور آوارگی کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ نوجوانوں کی مخلوط تعلیم ان برائیوں کو ہوا دے رہی ہے۔

سکولوں میں کلاشنکوف کا مسئلہ ہماری نئی نسل کو بھی آہستہ آہستہ تباہی کے کنارے پہنچا رہا ہے۔ کراچی میں نوجوانوں کی تین نسلیں تباہی کی گھاٹ اتر چکی ہیں۔ سیاستدانوں نے اپنے ووٹوں کے لئے کالجوں' یونیورسٹی کے لڑکوں کو مسلح کر کے ہمارے اخلاق و آداب کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اس سب کے باوجود اب بھی وقت ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنی نئی نسل کو اسلامی اقدار کے مطابق تربیت دیں اور اس کی مثال خود اپنے عمل سے پیش کریں۔

(بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت")

سجدہ سہو کا بیان

(حافظ محمد یاسین)

(1)۔ چار رکعت والی فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں کوئی فرد یا امام سورہ فاتحہ بھول جائے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

ہاں اگر سنت یا نفل نمازوں میں بھول جائے تو سجدہ سہو واجب ہے اس لئے کہ فرض نماز کی آخری رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے اور سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

(2)۔ اگر کوئی بھولے سے ایک رکعت میں دو رکوع کرلے یا ایک رکعت میں تین سجدے کرلے یا سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

(3)۔ اگر قعدہ اولیٰ میں التحیات پڑھنے کے بعد کوئی درود شریف پڑھنے لگے اور اللھم صلی علی محمد کے بقدر پڑھ لے یا اتنی دیر یونہی خاموش بیٹھا رہے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

(4)۔ اگر کسی مسبوق سے اپنی باقی نماز پوری کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو نماز کے آخری قعدے میں اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

(5)۔ اگر کسی نے ظہر یا عصر کی فرض نماز کی دو رکعتیں پڑھیں، لیکن یہ سمجھ کر کہ چار رکعتیں پڑھ چکا ہے۔ اس نے سلام پھیر دیا، سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا کہ دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو اپنی بقیہ دو رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کرلے۔

(6)۔ اگر کسی کو نماز میں شک ہو گیا کہ معلوم نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو اگر اس کو اتفاق سے پہلی بار یہ شک ہوا ہے، عام طور پر اس کو اس طرح کے شک کی عادت نہیں ہے تو اس کو دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے اور اگر اس کو اکثر و بیشتر اس طرح کا شک ہوتا ہی رہتا ہے تو پھر وہ اپنے گمان غالب پر عمل کرے اور اگر کسی طرف زیادہ گمان نہ ہو تو پھر کم رکعتوں کا

اعتبار کرے، مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہو جائے کہ معلوم نہیں تین رکعتیں ہوئی ہیں یا چار اور کسی طرف گمان غالب بھی نہیں ہے۔

تو اس صورت میں یہی سمجھے کہ تین ہی رکعتیں پڑھ کر چار رکعت پوری کرے اور سجدہ سہو ہر صورت میں کرے۔

(7)۔ نماز کی سنتیں یا مستحبات چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، مثلاً نماز کے شروع میں ثناء پڑھنا بھول جائے، یا رکوع اور سجدے میں تسبیح پڑھنا بھول جائے یا رکوع میں جانے اور اٹھنے کی دعا بھول جائے یا درود شریف اور اس کے بعد کی دعا بھول جائے تو ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

(8)۔ نماز میں کوئی ایسی کوتاہی ہو گئی جس کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہو گیا ہے لیکن اس نے نماز پوری کرلی اور سجدہ سہو کرنا بھی بھول گیا۔ سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا کہ سجدہ سہو رہ گیا، اب اگر اس نے قبلے کی طرف رخ نہیں پھیرا ہے اور کسی سے بات چیت بھی نہیں کی ہے، تو فوراً سجدہ سہو کرلے اور پھر التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

(9)۔ اگر کسی نے ایک رکعت میں بھولے سے ایک ہی سجدہ کیا اب اگر "قعدہ اخیرہ" کی "التحیات" پڑھنے سے پہلے پہلی رکعت میں یا دوسری رکعت میں یا جب بھی یاد آئے تو سجدہ ادا کرلے اور حسب قاعدہ سجدہ سہو کرے اور اگر "التحیات" پڑھ لینے کے بعد سجدہ یاد آیا تو سجدہ ادا کرنے کے بعد "التحیات" پھر پڑھے اور سجدہ سہو کرکے حسب قاعدہ نماز پوری کرے۔

(10)۔ اگر سفر کے دوران جب کہ قصر کا پڑھنا واجب ہے کسی نے بھولے سے قصر کرنے کے بجائے پوری چار رکعت نماز پڑھی اور دوسری رکعت میں بیٹھ کر "التحیات" پڑھ لی تو اس صورت میں بھی آخری رکعت میں قاعدے کے مطابق سجدہ سہو کرنا واجب ہے اور اس صورت میں یہ نماز قصر اس طرح صحیح ہو جائے گی کہ پہلی دو رکعتیں فرض قرار پائیں گی اور آخری دو رکعتیں نفل قرار پائیں گی۔

(ماخوذ از آسان فقہ)

دل بدست آور کہ حج اکبر است

صوفیانہ لٹریچر میں ایک روایت ملتی ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ جبل طور تو وہ جگہ ہے جہاں تجھ سے صرف ہمکلامی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی ایسا مقام بھی ہے جہاں میں تجھے پاسکوں اور مل سکوں؟ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا ہاں! انا عند منکسرۃ القلوب (میں اجڑے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے دلوں میں بستا اور ملتا ہوں)۔ اس بحث سے قطع نظر کہ یہ روایت کس قدر مستند ہے۔ کون اس کا راوی ہے؟ کس کتاب میں منقول ہے؟ اور اس کی صحت الفاظ کا کیا عالم ہے؟ بات بہر حال سولہ آنے درست اور دل کو لگتی ہے۔ اہل دنیا کا طرز زیست اس سے مختلف رہا ہے ان کے نزدیک عزت کے لائق وہ ہے جس کا دنیاوی مرتبہ فائق ہو اور سرکار مرتبہ اعلیٰ ہے وہ قابل توجہ اسے سمجھتے ہیں جس کی جیب گراں ہے۔ وہ عقیدت اس سے کرتے ہیں جس سے کوئی ضرورت پوری ہوتی ہو وہ قابل قدر اسے جانتے ہیں جو اہل زر ہو۔ رہ گیا کوئی محتاج اور غریب تو اہل دنیا کے لئے یہ بڑا عجیب ہو گا کہ وہ اسے قریب آنے دیں یا فوراً" اس کے قریب ہوں اور لطیفہ یہ کہ یہی اہل دنیا نمازیں پڑھیں گے' روزے رکھیں گے' حج کریں گے' چلے کاٹیں گے' تقشے کھینچیں گے کہ شاید ہمیں خدا کا قرب نصیب ہو' جب کہ خدا اپنی تمام تر لامکانی کے ساتھ اگر کہیں رہتا ہے اور کہیں ملتا ہے تو کسی شکستہ دل میں' کسی صد پارہ دل میں' کسی غریب کے اجڑے دیار میں' کسی محتاج کے ویران گھر میں' کسی یتیم کی آہ نارسا میں' کسی مسکین کے خالی دامن میں اور کسی بے وسیلہ کی تشنہ دار فریاد میں' لیکن عجیب ماجرا ہے کہ ایک شیشہ ٹوٹے تو غل مچ جاتا ہے لیکن کسی غریب کا پیمانہ دل ٹوٹ کر بکھر بھی جائے تو کوئی ترچھی نگاہ ڈالنا بھی گوارہ نہیں کرتا جب کہ اہل دل کہہ گئے ہیں کہ "اک بندے دا دل نہ توڑیں میرا رب دلاں وچہ رہندا" بات کسی پیشہ ور بھکاری' کسی عادی مانگت' کسی شتی گداگر' کسی کاہل اور کام چور اور کسی بہروپئے سوالی کی نہیں ہو رہی ہے اس یتیم کی ہو رہی ہے جسے باپ کی گرمی محبت اور ماں کی لوری نصیب نہ ہو سکی اور وہ زمانے کی ٹھوکروں پر آگیا۔ بات اس محتاج کی ہو رہی ہے جو ہڈ چم جلا کر بھی اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس مسکین کی ہو رہی ہے جو چہرے پر

مسکین کا شعور ہے کہ جو مزدور کو نہیں کھلاتا اور اپنی عزت قربانی کے موسم میں لگا دیتا ہے ضرورت
مندی ہو رہی ہے [illegible] اس کا یہ حال ہے [illegible]
دو نوالے والے کو دم ہونے کے [illegible] کچھ کر لیتا ہوں [illegible]
چھانس کا پھندا پانے کا ترجیح ہے یہ وہ لوگ ہیں جن [illegible]
مہمان ہوتا اور خدا کا مہمان ہوتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی غرض نہیں بلکہ قرض بھی
ہے۔ ان لوگوں کے دل نہ ٹوٹنے پائیں۔ اور ان کی دعائیں نہ لگنے پائیں۔ جن کے [illegible]
پڑتا ہے مگر کسی غریب کی آہ و فغاں کرے بھی سنگ جیسے سخت ہوئے جسم کو لرزا دیتی ہے اور سخت
سمندروں کا بڑا شور ہے مگر ان کے برعکس ان کی موجوں اور لہروں میں وہ شور کہاں جو کسی یتیم کے
آنسوؤں میں زور ہوتا ہے ان کے سامنے عرش الٰہی بھی بند نہیں رہتا حتیٰ کہ [illegible] اس لئے کہہ
رہا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں کتنی بہن بیٹیوں کے سر ہیں جو دوپٹے کے محتاج ہیں' کتنے بیمار ہیں جو
محتاج علاج ہیں کتنے پیٹ ہیں جو روٹی سے خالی ہیں' کتنے ہاتھ ہیں جو بے روزگار ہیں' کتنے گھر ہیں جو
بے سہارا ہیں' کتنے خاندان ہیں جو بے وسیلہ ہیں' کیا ہماری زمین بانجھ ہو گئی ہے کہ فصلیں اگانا بند
کر دیا ہے یا دریا خشک ہو گئے ہیں کہ وہ زمینوں کو سیراب نہیں کر پا رہے۔ کیا کارخانوں میں مستقل
ہڑتال ہوتی ہے کہ اشیائے صرف نایاب ہیں۔ کیا ملوں نے کپڑا بننا چھوڑ دیا ہے کہ مائیں بہنیں ننگے
سر ہیں؟ نہیں اصل مسئلہ یہ ہے کہ نظام جابرانہ اور وسائل کی تقسیم غیر منصفانہ ہے بعض ایسے
محل ہیں جو رشک فردوس وارم ہیں اور کچھ محلے ایسے ہیں جو کلبہ حزن و غم ہیں۔ زمین ایک' ملک
ایک اور شہر ایک مگر طرز بود و باش مختلف بلکہ متضاد' کروڑوں روپے پتنگ بازی کی نذر ہوتے ہیں'
کروڑوں شادی بیاہ کی بے ہودہ رسمیں کھا جاتی ہیں۔ اور کروڑوں ہی دیگر تماشائی تقریبات اور
فضولیات میں اڑ جاتے ہیں اور تو اور گذشتہ دنوں یہ رپورٹ سامنے آئی کہ عمرے' نفلی حج اور حج
بدل پر سالانہ دس ارب روپے صرف ہوتے ہیں ظاہر ہے یہ کام حصول ثواب اور خدا کے قرب کے
لئے ہوتا ہے۔ پتنگ بازی' رسم مہندی اور سالگرہ پر اٹھنے والی رقم یقیناً ہر ایک کے نزدیک عبث
اور بے کار ہے مگر نفلی حج اور عمرہ تو محض خدا کے قرب کے لئے کیا جاتا ہے کہ اس کی خوشنودی
حاصل ہو جائے اور حاجی اور عمرائی نیت بھی نیک ہی رکھتا ہے اگرچہ یہ سارا سرمایہ یتیموں' غریبوں

اور بیماروں پر خرچ ہو اور اجتماعی نظام کے تحت ہو اور اسی سلسلے میں ایک قومی مہم کا آغاز ہونا چاہیے تاہم نفلی حج اور عمرے پر خرچ ہونے والی رقم جو خالصتاً نیکی اور فلاح اخروی کے جذبے کے تحت صرف ہوتی ہے ضرور ناداروں پر خرچ ہونی چاہیئے۔ سوحج اور ہزار عمرے ایک طرف اگر اس رقم سے ایک بھی بیمار شفایاب ہو جائے تو اس کی دعا ایک طرف! نفلی حج اور عمرہ قبول ہوتا ہے یا نہیں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر کسی بیمار کی دعا کے رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ دس ارب روپے جو سال میں خرچ ہوتے ہیں قریباً ایک ارب روپیہ ماہانہ اوسط نکلتی ہے اور تین کروڑ روپے روزانہ۔ اگر یہ تین کروڑ روپے روزانہ ان مریضوں کے علاج پر خرچ ہوں جو ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوں اور دوسرے جو ڈاکٹر اور ہسپتالوں کا بل ادا کرنے سے قاصر ہیں تو اس سے بڑا حج اور عمرہ کیا ہو سکتا ہے؟ وہ اصحاب دولت و ثروت جو ہر سال حج اور سال میں دو چار بار عمرہ کرنے کے شوقین ہیں یہی رقم اپنے ہاتھوں سے مریضوں پر خرچ کریں ہسپتالوں میں جا کر ایسے نادار مریضوں کا حال معلوم کریں اور ان کا بل ادا کر دیں تو سچی بات یہ ہے کہ جس خدا کو ملنے وہ کعبے کا رخ کرتے ہیں وہی خدا انہیں اپنے گھر پر مل جائے گا کسی سسکتے مریض، کسی کراہتے بیمار اور کسی زندگی سے مایوس شخص کے پارہ پارہ دل پر پھاہا رکھنے سے بڑھ کر "حج اکبر" اور کیا ہو سکتا ہے۔ مولانا رومؒ نے کہا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آزر است
دل گزر گاہ جلیل اکبر است

(کسی کی دلجوئی کرو کہ یہی حج اکبر ہے اور ہزار ہا کعبے سے ایک دل افضل ہے کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر ہے جب کہ دل اللہ تعالیٰ کی گزر گاہ ہے)

(مرسلہ! ایم محمد طالب)
(شکریہ روزنامہ "نوائے وقت")

نبی آخرالزماں ﷺ کی صداقت (ویدوں سے ثابت)

(مولانا شمس نوید عثمانی)

ویدک دھرم اور آخرت

عقیدہ آخرت اور پنر جنم

آخرت کا عقیدہ اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ تمام مذاہب اور تمام قوموں میں بہت بڑے گروہ ایسے ہیں جو توحید یعنی ایک خدا کے ماننے والے ہیں۔ رسالت کا تصور بھی ان تمام گروہوں میں کافی واضح ہے۔ حالانکہ آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار وہ نہیں کرتے ہیں لیکن بنیادی عقائد میں سے آخرت ہی ایک ایسا عقیدہ ہے جو ان سب کے یہاں بالکل مسخ ہو چکا ہے۔ یوم آخر' جزاو سزا اور جنت دوزخ کا کوئی واضح تصور ان کے یہاں نہیں ہے۔ کسی کے یہاں آواگون کا عقیدہ ہے 'کوئی یوم آخر کو مانتا ہی نہیں' اور کوئی حساب و کتاب کا انکار کر کے یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھانسی پر چڑھ کر (نعوذ باللہ) سب کے گناہ معاف کروا دیئے۔ موجودہ توریت' زبور اور انجیل میں بھی آخرت کا تصور بہت مبہم اور دھندلایا ہوا ہے لیکن ویدوں میں بہت تفصیل کے ساتھ دوسری زندگی جزاو سزا اور جنت و دوزخ کے بیانات بہت صاف ستھری شکل میں موجود ہیں۔

آواگون کا عقیدہ ہندو سماج میں بہت بعد کے دور میں آیا۔ گو ایسے آثار ملتے ہیں کہ ویدک دور سے پہلے بھی آواگون کے ماننے والے تھے لیکن ایک پوری قوم بہ حیثیت مجموعی بہت سے جنموں کے عقیدے کی قائل ہو جائے' ایسا کافی بعد میں ہوا۔ کسی عام ہندو سے معلوم کیجئے کہ اگر جزاو سزا کے طور پر بار بار اسی دنیا میں مختلف جسموں میں پیدا ہوتے رہنا ہے تو تمہاری مذہبی کتابوں میں سورگ (جنت)' نرک (دوزخ)' پرلوک (دوسری دنیا' آخرت) اور یم دوت (موت کا فرشتہ) کا کیا مطلب ہے۔ وہ آپ کو کچھ نہ بتا سکے گا۔ بیشتر ہندو عالم بھی انکی بہت بے تکی تاویلیں کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ویدوں سے مکمل طور پر کٹ جانے کی وجہ سے آخرت کے عقیدے میں بگاڑ آیا۔ آواگون کیسے آیا' اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر ہم ویدوں میں آخرت کی مثالوں کے بعد روشنی ڈالیں گے۔ ابھی اتنا سمجھ لیں کہ آواگون کے سلسلے میں کلیدی لفظ پنر جنم ہی بار بار پیدا ہونے کا انکار کرتا ہے۔ سنسکرت پر پنر یا پنہ کے معنی ہیں دوبارہ یا دوسری مرتبہ' پنر جنم کا مطلب ہوا دوسری زندگی یا دوبارہ زندگی' نہ کہ بار بار پیدا ہونا۔ اس سلسلہ میں کچھ ہندو

عالموں کے بیانات دیکھئے۔

ہندو محققین کا اقرار

"رگ وید میں پنر جنم کا ذکر نہیں" حالانکہ خوب ذکر ہے ڈاکٹر صاحب کی نظر سے نہیں گزرا ہو گا۔ ویدوں میں نہ صرف پنر جنم کا ذکر دوسری حیات کے لئے ہے بلکہ بار بار جنم (آواگون) کا انکار بھی ہے" (ڈاکٹر رادھا کشن۔ اپنشدوں کی بھومیکا)

"پنر جنم کے لئے ایک لفظ پرتیہ بھاوہ ہے...... وہ اس سے مختلف ہو کر دوسری دنیا میں جا کر پھر پیدا ہوتا ہے" (کلیان گور کھپور۔ پرلوک اور پنر جنم صفحہ 164)

"پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ پنر جنم کا دوسرا نام پرلوک (دوسری دنیا) ہے" (ایضاً)

"مردوے کا شاستروں میں پرلوک میں جانا کہا ہے......" (ایضاً)

"ویدوں میں دوسری زندگی کا وہی تصور موجود ہے جسے قرآن میں معاد یا آخرت کہا گیا۔۔۔۔ ایک اور عالم رائل سانکرتیائن کے خیالات اس موضوع پر دیکھئے

"قدیم ہندوستانی ادب میں "چھاندوگیہ" ہی نے سب سے پہلے پنر یعنی دوسری دنیا ہی میں نہیں اس دنیا میں بھی اعمال کے مطابق جاندار جنم لیتا ہے' کی بات کہی۔ شاید اس وقت پچھلے مبلغین نے یہ نہ سوچا ہو کہ جس اصول کی وہ تبلیغ کر رہے ہیں وہ آگے کتنا خطرناک ثابت ہو گا"۔ (درشن وگدرشن)

"ڈاکٹر فریدہ چوہان لکھتی ہیں۔ ویدوں میں پنر جنم ملتا تو ضرور ہے لیکن اس جنم کے بعد صرف ایک اور جنم کا بیان ہے۔ ہزاروں جنموں کا نہیں" (وید اور پنر جیون۔ پنڈت درگا شنکر سیتار تھی)

"شری ستیہ پرکاش ودھینالنکار لکھتے ہیں۔ ویدوں میں آواگون کا اصول نہیں ہے۔ اس بات پر تو میں جوا بھی کھیل سکتا ہوں" (ایضاً)

"..... ویدوں میں آخرت ہے یا نہیں' یہ سوال بڑا عجیب ہے۔ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ انسان کے جسم میں روح ہے یا نہیں پورے کے پورے وید آخرت کی تصدیق کرتے ہیں۔۔۔۔ یوم آخر تو آسمانی مذاہب کا ایک بنیادی اصول ہے اور وید پورے کے پورے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ ویدوں میں بھی قرآن کی طرح تین اصولوں کو مذہب کے بنیادی اصول مانا گیا ہے۔ ا۔ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ یوم آخر" (وید اور پنر جیون)

چند ہندو محققین کے ان تبصروں کے بعد اب ویدوں میں یوم آخر اور جنت دوزخ کے بیانات دیکھئے۔

ویدوں میں آخرت کا تصور

"اے اگنی اپنی نجات دہندہ طاقتوں سے دارالجزاء کا حصول کراؤ" (رگ وید 10-16-4)

"اے اگنی اس مردہ انسان کو دوبارہ زندگی ملے گی" (رگ وید 10-16-5

ویدوں میں آخرت کے تصور کی یہ دو مثالیں ہیں۔ بار بار جنم نہ ہو کر دوسری حیات کا ہی ذکر آخرت کے لئے ویدوں میں ہر جگہ آیا ہے۔ یہ تصور بہت مبہم نہیں ہے بلکہ تفصیل کے ساتھ جزا و سزا کا ذکر اور جنت و دوزخ کی تفصیلات ہیں۔ چند مثالیں ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

ویدوں میں جنت کی تفصیلات

"تم وہاں اپنی صداقت کی مدد سے اس مقام کو دیکھنا جو انتہائی وسیع المنظر ہے" (رگ وید) اس منتر کے تشریحی نوٹ میں گرفتھ نے اپنے انگریزی ترجمے میں لکھا ہے کہ "سائن اچاریہ کی تشریح کے مطابق یہ مقام جنت ہے" (سائن اچاریہ ہی سے تفسیر لے کر میکس ملر نے سب سے پہلے وید کو عوام کے سامنے پیش کیا)

"تم دونوں شوہر و بیوی میرے پاس صف بستہ کھڑے ہو جاؤ۔ وفادار اس جنت کی دنیا میں پہنچائے جاتے ہیں" (اتھرووید)

"تمہارے پیرو اپنے صدقات کے ذریعہ خدا کی خدمت کریں گے اور اس کے علاوہ تم جنت کی خوشیوں سے ہمکنار ہو گئے" (رگ وید)

"جو علم رکھتے ہیں وہ دوسروں سے پہلے زندگی عطا کرنے والی سانس لے کر اس جسم سے نکل کر آسمان میں پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ جن راستوں سے دیوتاؤں (فرشتوں) نے سفر کیا تھا ان سے گزرتے ہوئے جنت پہنچ جاتے ہیں" (اتھرووید)

"پاک کرنے والے کے ذریعہ پاک ہو کر ایسے جسم کے ساتھ جس میں ہڈیاں نہ ہوں گی۔ وہ درخشاں اور منور ہو کر روشنیوں کی دنیا میں پہنچتے ہیں۔ ان کے مسرور جسموں کو آگ نہیں جلاتی ہے۔ جنت کی دنیا میں ان کے لئے بڑی لذتیں ہیں" (اتھرووید)

"شہد کے کناروں اور مکھن سے بنی ہوئی نہریں جو شراب، دودھ، دہی اور پانی سے لبریز ہوں گی بے پناہ شیرینی ان سے ابل پڑتی ہو گی۔ یہ چشمے جنت کی دنیا میں تجھ تک پہنچیں گے۔ کنول کے پھولوں سے بھری ہوئی پوری پوری جھلیں تیرے پاس آئیں گی" (اتھرووید)

یہ تھے جنت کی نعمتوں کے ویدوں میں کئے ہوئے چند وعدے اور اب دوزخ کا بیان دیکھیں۔

دوزخ کی تفصیلات

وید سے پہلے شری مدبھاگوت پران کے چار اشلوکوں کے ترجمے دیکھئے۔ یہاں بھی جو دوزخ کی

تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ قرآنی تصور سے بہت مشابہ ہیں۔

"یہاں اس کے جسم کو بھڑکتی ہوئی لکڑیوں کے بیچ ڈال کر جلایا جاتا ہے۔ کہیں خود اور کہیں دوسروں کے ذریعہ کاٹ کاٹ کر اسے اپنا ہی گوشت کھلایا جاتا ہے" (شری مد بھاگوت پران)

"موت کی دنیا کے کتوں یا گدھوں کے ذریعہ جیتے جی اس کی آنتیں کھینچی جاتی ہیں۔ سانپ بچھو وغیرہ ڈسنے والے اور ڈنک مارنے والے جانداروں سے جسم کو اذیت پہنچائی جاتی ہے" (ایضا)

"جسم کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں۔ اسے ہاتھیوں سے چروایا جاتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹیوں سے گرایا جاتا ہے پانی یا گڑھے میں ڈال کر بند کیا جاتا ہے۔ یہ سب سزائیں اور اسی طرح کی اندھ تمس اور رورو نامی دوزخوں کی اور بھی بہت سی عقوبتیں، عورت ہو یا مرد، اس روح کو زندگی میں ہونے والے گناہ کے باعث بھگتنا ہی پڑتی ہے" (ایضا)

اور اب رگ وید سے ایک مثال۔

"جو گنہ گار ہیں ان کے لئے یہ انتہاء گہرائی والا مقام وجود میں آیا ہے" (رگ وید)

اس منتر کے تشریحی نوٹ میں ویدوں کے انگریزی مترجم گرفتھ نے لکھا ہے کہ سائن آچاریہ کے مطابق یہ مقام نرک یعنی دوزخ (HELL) ہے۔

آخرت، جنت اور دوزخ کی مندرجہ بالا مثالوں کو دیکھیں اور فیصلہ خود کریں کہ قرآن و احادیث میں بیان کردہ اسلامی تصورات سے یہ کتنی مماثلت رکھتی ہیں۔ ہزاروں سال پرانے ویدوں میں یہ بیانات جو ان کے ہزاروں سال بعد اس سے ملتے جلتے انداز میں قرآن میں بیان ہوتے کیا یہ ثابت نہیں کرتے کہ یہ آسمانی صحائف ہیں؟ لفظی اور معنوی تحریفات سے گذرتے ہوئے ہزاروں سال کی دھول میں کھوئے ہوئے ان صحائف کو اگر امت کے چند ذمہ داران اللہ کی آخری اور صحیح کتاب قرآن پاک کی روشنی میں صاف کریں اور ان میں سے قرآن کی مدد سے ان حصوں کو نمایاں کریں جو دین اسلام کی تعلیمات ہیں اور پھر ہندو قوم کی ان کتابوں کی روشنی میں ان کو توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت دی جائے تو کیا ان کو ان کے اصل مذہب دین قیم کی طرف بلانا زیادہ آسان نہ ہوگا؟

مندرجہ بالا نقل کردہ اشلوکوں اور منتروں کے ترجموں کو دیکھئے کہیں بھی بار بار مختلف جسموں میں جنم لیتے رہنے کا ذکر ملتا ہے؟ ایسا نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے صرف ان منتروں کا ترجمہ پیش کر دیا جن میں آخرت اور جنت و دوزخ کا صحیح تصور موجود ہے بلکہ ویدوں کے کسی حصہ میں آواگون کا ذکر نہیں ہے۔ یہ سب بعد کی اختراع ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہندو محققین کے پیش کردہ حوالے بھی ثابت کرتے

ہیں۔

اوپر نقل کردہ وید منتروں کے ترجمے ہم نے سناتن دھری ترجمے آریہ سماجی ترجمے اور گرنتھ کے انگریزی ترجموں کے سامنے رکھ کر کیے ہیں اور اب دیکھیں پنڈت درگاشنکر ستیار تھی کے چند تراجم جو انہوں نے اپنے آخرت سے متعلق مضمون میں دیے ہیں۔

"وہ برقی کوڑے لگانے والا' شیطان کو مارنے والا' ہزاروں خوفناک اور غضب ناک (انسانوں) کا شعور بحال کرنے والا اور سینکڑوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ وہ سائبان والا ہے۔ مرنے والے کو پانچ جنم دینے والا نہیں ہے۔ اے ہندوؤں تم سب بجلیوں کے مالک ہو جاؤ۔" (رگ وید بحوالہ رسالہ کانتی)

"بار بار پیدا ہونے کا ذکر شیطان کی طرح قدیم زمانے (کے لوگوں کے ذریعہ) کیا جاتا رہا ہے گناہگاروں کی طرح ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو مغلوب کرو' مرنے والوں کی دیوی عمر کو جلاتی ہے۔ (یعنی جلدی کرو زندگی کی مہلت ختم ہوتی جا رہی ہے) (رگ وید بحوالہ رسالہ کانتی)

"وہ یوم آخر کو بھلا کر اور علم و عقل کو حقارت سے ٹھکرا کر ہمارے مقرر کردہ حدود کو پکڑ رہے ہیں (یعنی پھلانگ رہے ہیں" (ایضا")

"اپنے دل کے لئے شیریں زبان حاصل کر کے لوگ اپنے شکوک کو گنتے ہیں (یعنی معرفت حاصل کر کے اپنے گناہوں کا محاسبہ کرتے ہیں) دیوؤں کو نمسکار کرنے والے لوگوں سے کہو تمہیں پھر سے دائمی عمر اور ہمیشہ کی زندگی حاصل ہونا یقینی ہے" (ایضا")

پنڈت درگاشنکر ستیارتھی نے اپنے مضمون میں اوپر نقل کردہ منتروں کے علاوہ اور بہت سے وید منتروں کا حوالہ دے کر بہت مدلل انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ ویدوں میں آخرت کا عقیدہ بالکل قرآنی عقیدہ کی طرح ہے جس میں یوم آخر میں جزا و سزا کی دوسری دائمی زندگی کا ذکر ہے۔ آواگون کا ذکر یا بہت سے جنموں کا نہ صرف یہ کہ ذکر نہیں ہے بلکہ اس کی تردید کی گئی اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو مغلوب کرنے کا حکم ہے۔

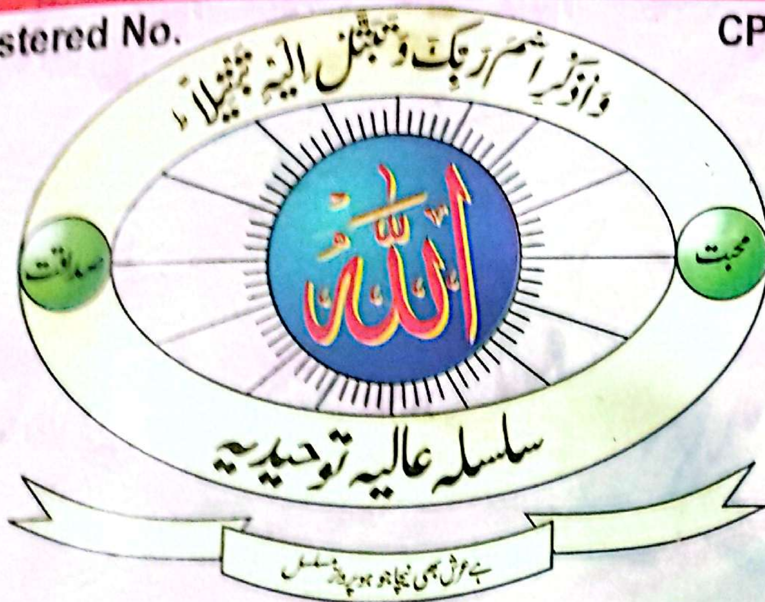
یہاں ایک اور اہم ترین قابل ذکر بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا وید منتر جن کو ہم نے پنڈت درگاشنکر ستیارتھی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ انہیں ہم نے دوسرے تراجم میں دیکھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ سارے مترجمین نے بالکل ایک دوسرے سے مختلف ترجمے کئے ہیں اور مستند مثال جب جب مترجمین نے آسمانی کلام کی اصل سے ہٹنا چاہا اور آخرت کے صحیح عقیدے کو چھپانا چاہا تو ان میں آپس میں بھی اتفاق نہ رہا اور ان سبھی نے اپنی پسند کی تاویلات کر لیں۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

FALAH-E-ADMIAT

Registered No. CPL 491



بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔

☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔

☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟

☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔

☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔

☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔

☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت

☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکر ہوتا ہے؟

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟